بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

جلد نمبر ۸۳ ماہ جولائی ۲۰۱۵ء مطابق رمضان المبارک ۱۴۳۶ھ شمارہ نمبر ۷

مدیر
خلیل الرحمان سجاد نعمانی E-mail : ilm.zikr@yahoo.com

اس شمارہ میں

	مضامین	مضامین نگار	صفحہ نمبر
۱	نگاہ اولیں	مدیر	۵
۲	محفل قرآن	مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی	۱۱
۳	سرکاری اسکولوں میں سوریہ نمسکار۔۔۔	محمد امین قاسمی	۱۷
۴	بہار کا قافلۂ رشد وہدایت	محبوب فروغ احمد قاسمی	۲۱
۵	آہ۔۔رشد وہدایت کا ایک اور چراغ بجھ گیا۔	مولوی طلحہ ندوی	۳۶
۵	مولانا محب الحق اوران کی تصنیفی خدمات۔۔۔	مفتی امانت علی قاسمی	۴۳

اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کی خریداری کی مدت ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال فرمائیں ورنہ اگلا شمارہ بصیغۂ V.P. ارسال کیا جائے گا جس میں آپ کے -/35 روپے زائد خرچ ہوں گے — منیجر

ضروری اعلان

مختلف مقامات میں ماہنامہ الفرقان کی توسیع اشاعت کے لیے درج ذیل حضرات کے نام اور فون نمبر بھیجے جا رہے ہیں ان مقامات پر قریب و جوار کے حضرات ان سے رابطہ قائم کریں۔

مقام	نام	فون نمبر
۱۔ بڑودہ (گجرات)	مفتی محمد سلمان صاحب	+91-9898610513
۲۔ مالیگاؤں (مہاراشٹرا)	مفتی حسین محفوظ صاحب	+91-9226876589
۳۔ بیلگام (کرناٹک)	مولانا انور صاحب	+91-9880482120
۴۔ بیڑ (مہاراشٹرا)	قاضی بک ڈپو طہٰ بک ڈپو	+91-9960070028 +91-9326401086
۵۔ گورکھپور (اترپردیش)	مکتبہ ناصر	+91-9451846364
۶۔ جالنا (مہاراشٹرا)	محمد اطہر	+91-9225715159

ناظم شعبۂ رابطۂ عامہ : بلال سجاد نعمانی
E-mail: nomani_sajjadbilal@yahoo.com

☆ سالانہ زر تعاون، برائے ہندوستان: (سادہ ڈاک) عمومی Rs.200/-

☆ سالانہ زر تعاون برائے ہندوستان: (بذریعہ وی پی [1]) عمومی Rs.230/-

[1] اس صورت میں پہلے سے زر تعاون بھیجنے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ رسالہ وصول کرتے وقت ڈاکیہ کو مطلوبہ رقم ادا کرنی ہوتی ہے، مگر خیال رہے کہ وی پی نہ وصول ہونے پر ادارہ کو Rs.40/- کا نقصان ہوتا ہے

☆ سالانہ زر تعاون برائے بیرونی ممالک (بذریعہ ہوائی جہاز) 20/- پاؤنڈ۔ 40/- ڈالر

لائف ممبر شپ: ہندوستان: سادہ ڈاک Rs.8000/-۔

بیرونی ممالک: 600/- پاؤنڈ۔ 1200/- ڈالر۔

برطانیہ میں ترسیل زر کا پتہ :
Mr. RAZIUR RAHMAN
90-B HANLEY ROAD. LONDON N4 3DW U.K
Fax & Phone:020 72721352. Email:furqanpublications@googlemail.com

﴿ادارہ کا مضمون نگار کی فکر سے اتفاق ہونا ضروری نہیں۔﴾

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ

ماہنامہ الفرقان
۳۱/۱۱۴ نظیر آباد لکھنؤ
پن-۲۲۶۰۱۸ - یوپی، انڈیا - فون نمبر: Ph:0522-4079758

MonthlyALFURQAN
114/31, NAZIRABAD LUCKNOW
Pin-226018- U.P INDIA

e-mail : monthlyalfurqanlko@gmail.com

دفتر کے اوقات صبح ۱۰ بجے سے ۱ بجکر ۳۰ منٹ   بعد ظہر: ۲ بجے سے ۵ بجکر ۳۰ منٹ تک

اتوار کو آفس بند رہتا ہے۔۔۔۔۔۔

خلیل الرحمٰن سجاد کے لیے پرنٹر و پبلشر محمد حسان نعمانی نے کاکوری آفسیٹ پریس کچہری روڈ لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱/۱۱۴ نظیر آباد لکھنؤ سے شائع کیا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نگاہ اولیں

مدیر

گذشتہ شمارے (جون 2015) میں راقم الحروف نے عرض کیا تھا کہ:

''ہمارے ملک میں آزادی کے بعد سے اس کی مسلسل اور منظم کوشش ایک مخصوص طبقے کی طرف سے کی جارہی ہے کہ مسلمانان ہند کو مادّی اعتبار سے ملکی آبادی کا سب سے زیادہ پس ماندہ حصّہ بنادینے کے ساتھ ساتھ اس کی ''اسلامیت'' بھی اس سے چھین لی جائے۔۔۔'' چنانچہ شروع سے ہی تعلیمی نصاب کے ذریعہ مسلمانوں کی آئندہ نسلوں کو برہمنی عقائد و رسوم پڑھنے اور اپنانے پر مجبور کرنے کی جو کوششیں کی جارہی ہیں، وہ اسی منظم کوشش کا ایک اہم اور بنیادی حصّہ ہیں۔۔اسی طرح آزادی کے وقت مسلمانوں کو زندگی کے ایک محدود حصّے میں شریعت کے قانون پر عمل کی جو اجازت دستور کے ذریعہ دی گئی (جسے عام طور پر ''مسلم پرسنل لا'' کے نام سے جانا جاتا ہے) اسے بھی قانوناً اور عملاً چھین لینے کی جو کوشش شروع سے ہی کی جاتی رہی ہے۔۔۔ ان کوششوں کا اصل ہدف مسلمانان ہند کی جان مال اور عزت و آبرو سے آگے بڑھ کر ان کو، انکے دین، ان کے ایمان اور اسلام سے محروم کردینا ہے۔''

ہمارے بزرگوں میں کچھ ایسے اہل نظر تھے جو اِن خطروں کو آزادی سے بہت پہلے سے محسوس کرنے لگے تھے، ان میں ایک حضرت مولٰنا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ تھے، جب برطانوی حکومت نے ہمارے ملک کو آزادی کی پہلی قسط کے طور پر انڈیا ایکٹ 1935 دیا اور اس کے بموجب 1936 میں الیکشن ہوا اور زیادہ تر صوبوں میں کانگریس کی حکومت بنی تو اسی وقت انہوں نے مستقبل کے بھارت میں مسلمانوں کے دینی مستقبل کو لاحق ہونے والے سنگین خطرات کا جس طرح اِدراک کیرلیا تھا، اسکا تذکرہ کرتے ہوئے انہوں نے ایک جگہ خود ہی لکھا ہے:

''ہم جیسوں کے لئے دو حقیقتیں بالکل کھل کر سامنے آگئیں، ایک یہ کہ انگریزی اقتدار

سے ملک کے بالکل آزاد ہو جانے کی منزل اب زیادہ دور نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ انڈین نیشنل کانگریس کی قیادت میں آزادی کی تحریک جس طرح چل رہی ہے، اسکے نتیجہ میں جو آزادی حاصل ہوگی اور جمہوری حکومت قائم ہوگی، وہ ہم مسلمانوں کی آرزوؤں اور امنگوں کے مطابق نہ ہوگی، بلکہ خاص کر اقلیتی صوبوں میں ان کی تہذیب اور ان کے ملّی تشخص کے لئے نئے نئے خطرات پیدا ہو جائیں گے۔''

آزادی اور تقسیم کے بعد جو صورت حال سامنے آئی، وہ ان اندیشوں کے عین مطابق تھی جو مذکورہ بالا اقتباس میں ظاہر کیئے گئے تھے۔ اس صورت حال کا بھی تذکرہ حضرت مولٰنا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے جس طرح نکلتا تھا اس کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمایئے:

''یہاں کی اکثریت والی قوم میں۔۔۔ اگر چہ طرز حکومت اور نظام حکومت کے متعلق بہت کچھ اختلافات ہیں۔۔۔ لیکن اس خواہش اور چاہت میں قریب قریب وہ سب یکساں طور پر شریک ہیں کہ یہاں کے مسلمانوں کو اب اپنی ملّی انفرادیت اور تہذیبی و معاشرتی امتیاز کو ختم کر کے اکثریت کا ایک غیر متمیز جز بن جانا چاہیئے۔ اس مقصد کے لئے ایک طرف تو ایسے قوانین بنائے جا رہے ہیں، جن کے نفاذ کے بعد مسلمانوں کی ملّی خصوصیات و امتیازات کے باقی رہنے کے امکانات کم سے کم ہوتے جا رہے ہیں۔ دوسری طرف ''الناس علی دین ملوکھم'' (لوگ ارباب اقتدار ہی کے راستے پر چلا کرتے ہیں) کے طبعی قانون کے مطابق خود مسلمانوں کے بعض طبقوں میں تہنّد (یعنی ہندوانہ تہذیب و معاشرت اور ہندوانہ طرز زندگی اختیار کرنے کا رجحان تیزی سے پیدا ہونے لگا ہے۔۔۔''

محترم قارئین! یہ ذہن میں رکھیئے گا کہ مسلمانان ہند کے بعض طبقوں کا جو آنکھوں دیکھا حال مندرجہ بالا اقتباس میں آپ نے پڑھا، یہ حال ہے 1949 کا، اور اس کی ایک مثال جو حضرت نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی تھی، وہ بھی ملاحظہ فرمالیجئے:

''محکمہ تعلیم ہی کے ایک سرکاری افسر نے خود راقم سطور سے نقل کیا کہ مشرقی یو۔ پی کے ایک شہر میں لڑکیوں کے ایک اسکول کا انہوں نے معائنہ کیا، انہیں یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ تعلیم پانے والی لڑکیوں کی اتنی بڑی تعداد میں ایک لڑکی بھی مسلمان نہیں ہے۔ اس کا سبب معلوم کرنے اور اپنا تعجب رفع کرنے کے لئے انہوں نے ہیڈ معلّمہ سے دریافت کیا کہ شہر کی مسلمان

لڑکیاں اسکول میں کیوں نہیں آتیں؟ ہیڈ معلّمہ نے بتلایا کہ جو طالبات اس وقت آپ کے سامنے ہیں ان میں کافی تعداد مسلمان لڑکیوں کی ہے۔ ان افسر کا بیان ہے یہ سُن کر میں حیرت میں رہ گیا۔ اسکول کی سب لڑکیوں کو میں نے جس صورت اور ہیئت میں دیکھا تھا اس سے مجھے وہم وگمان بھی نہ ہوسکتا تھا کہ ان میں کوئی ایک لڑکی بھی مسلمان ہوسکتی ہے۔ وضع، ہیئت، لباس اور ہر چیز سے ساری لڑکیاں ہندو گھرانوں ہی کی معلوم ہوتی تھیں، حتیٰ کہ سب نے یکساں طور پر ہاتھ جوڑ کر ہندوانہ طریقہ پر مجھے نمسکار کیا تھا۔''

آزادی کے فوراً بعد ملک کا منظر نامہ اِن اہل نظر کے سامنے کس قدر واضح تھا، اور ان کی نظر مسلمانانِ ہند کے ایک بہت بڑے طبقے پر، خصوصاً اسکولوں میں زیر تعلیم ہمارے بچوں اور بچیوں پر عام ماحول کے جو اثرات پڑ رہے تھے، اس کو یہ حضرات، جن کا دائرۂ کار تو بظاہر مسجد اور مدرسے تک محدود تھا، اس کی ایک مثال آپ نے دیکھ لی۔ ان کی دور بین نگاہ مستقبل کے جس منظر نامے کو دیکھ رہی تھی، اس کی بھی ایک مثال ملاحظہ فرمالیں:

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اسی تاریخی مضمون میں، جس کے کچھ اقتباسات سطور بالا میں پیش کئے گئے ہیں؛ برادران وطن کے اُس طبقے کا ذکر کرتے ہوئے جس کی ان کے لفظوں میں ''صاف اور کھلی رائے یہ ہے کہ تقسیم کے بعد مسلمانوں کو اس ملک میں مسلمان رہ کر اور عزت کے ساتھ جینے اور رہنے کا کوئی حق نہیں رہا ہے اور اس لئے یہ گروپ یہاں کے مسلمانوں کے خلاف ہر طرح کا جبر وتشدد استعمال کرنے کو اپنا حق سمجھتا ہے۔'' مستقبل کے بارے میں اپنے اندیشے اِن الفاظ میں ظاہر کئے تھے:

''پس زمانے نے کسی وقت کوئی ایسی کروٹ بدلی کہ اس عنصر کو اپنی سرگرمیاں پھر تیز کرنے کا موقع ملا یا یہ طبقہ ہی کسی وقت برسر اقتدار آگیا تو موجودہ مسلمان قوم کے جو طبقے دین میں کچّے ہیں اور اس وقت بھی جن کا تعلق دین سے زیادہ پختہ اور گہرا نہیں، ان کا جو حشر وانجام ہوگا، اس کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں ہے۔''

ماضی میں ہمارے کچھ اہل نظر مسلمانانِ ہند کے حالات کے کس پہلو پر سب سے زیادہ نظر رکھتے ے تھے، یہاں تک کہ خداداد ایمانی حمیّت وفراست سے مستقبل کے متوقع حالات کو کتنے پہلے سے دیکھ لیا کرتے تھے، اور اس کی وجہ سے وہ عام مسلمانوں کے اور ان کی نئی نسلوں کے ایمان کے تحفظ اور برہمن چالوں اور ماحول کے اثرات سے ان کی اسلامیت کی حفاظت کے لئے کس قدر بے چین اور مضطرب رہا

کرتے تھے، اس کو یاد کرتے ہیں تو اپنی بے حسی، ایمانی حمیّت وغیرت سے اپنی محرومی (وغیرہ جیسی خصلتوں) کو دیکھ کر ہم جیسوں کے سَر شرم سے جھک جاتے ہیں۔

اُس دور میں بھی ایسا نہیں تھا کہ طبقۂ علماء سے تعلق رکھنے والے تمام ہی لوگ مسلمانانِ ہند کے حالات کے اس پہلو پر اتنی گہری نگاہ رکھتے ہوں، جتنی گہری نظر اس دور کے چند ممتاز اہل نظر رکھتے تھے، اس کا بھی تذکرہ اُسی مضمون میں حضرت مولٰنا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اِن الفاظ میں کیا تھا:

''حکومت وسیاست اور قومیت ووطنیت کے سلسلے میں ہندی مسلمانوں کے بچے کھچے دین اور اُن کی تہذیب ومعاشرت پر جو تباہ کن اثرات اِس وقت پڑ رہے ہیں اور جو شاید چند ہی برسوں میں مسلمانوں کو اپنے دین اور اپنی تہذیب سے اور زیادہ دور کر دیں گے، جتنا کہ انگریزی حکومت اور اس کے نظام تعلیم نے قریباً ایک صدی میں دُور کیا تھا، ان اثرات کا طبقۂ علماء کے بہت سے افراد کو تو پورا شعور واحساس بھی نہیں ہے، اور جن کو کچھ ہے بھی ان میں بہت ہی کم بلکہ شاذ ونادر ہی اللہ کے وہ بندے ہیں جو امّت کو ان اثرات سے بچانے کے لئے اپنا فرض اس طرح ادا کر رہے ہوں؛ جس طرح عزیمت کے ساتھ اور بلا خوف لومۃ لائم علماء حق کو کرنا چاہیئے! بلکہ یہ دیکھ کر دِل خون ہوتا ہے کہ طبقۂ علماء کے بعض افراد اس وقت ابو الفضل اور فیضی کا پارٹ ادا کر رہے ہیں، اور اپنے علم وقلم کے زور سے مسلمانوں کے لئے ان ذہنی اور علمی تبدیلیوں کو آسان اور جائز (بلکہ اسوۂ سلف) بنا دینا چاہتے ہیں۔''

عام حال خواہ کچھ بھی ہو، اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسے دردمند اور ارباب بصیرت وعزیمت رہنما بھی مسلمانان ہند کو اِس دَور میں بھی ملتے رہے؛ جنہوں نے اس چیلنج کی سنگینی کو صحیح طور پر سمجھا اور اپنی بھرپور طاقت کے ساتھ اس کے مقابلے کے لئے ایسی کوششیں کیں جن میں عزم وحوصلہ اور جرأت شجاعت بھی تھی، اور حالات کا صحیح تجزیہ اور حکمت ودانش مندی بھی، وہ چاہے حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ یا امارت شرعیہ کے بانی اور عظیم عالم ربّانی اور قائد ومفکّر حضرت مولٰنا ابو المحاسن سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، علّامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ الاسلام حضرت مولٰنا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہوں، یا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولٰنا سید منّت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ ہوں، یا حضرت مولٰنا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولٰنا سید ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ ہوں، یا قاضی عدیل احمد عباسی اور مولٰنا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی ہوں۔۔۔۔ یہ چند نام صرف مثال کے طور پر یہ چند شخصیتوں کے لئے گئے ہیں جنہوں نے بھارت میں رہنے والے مسلمانوں کو لاحق سب سے بڑے

خطرے کی سنگینی کو کما حقہ محسوس کیا۔ اور اس کے لئے انفرادی اور اجتماعی سطح پر بھرپور امکانی جدوجہد کی۔

ملک کے مسلمانوں کو برہمنی رنگ میں لینے اور ان کی تہذیبی انفرادیت اور ملی تشخص کو ختم کر دینے کی کوششیں کی تو گزشتہ سو سال سے جاری ہیں اور جیسے جیسے مسلمانوں میں اس طبقے کا تناسب بڑھتا جا رہا ہے جسے اپنے دنیاوی مفادات ہر چیز سے زیادہ عزیز ہیں اور جسے نہ اسلام کی سمجھ ہے نہ وہ اسلام اور کفر کی حدود سے واقف ہے اسی رفتار سے مسلمانوں میں برہمنی عادات و آداب کی قبولیت بھی بڑھتی جا رہی ہے اور حد یہ ہے کہ کتنے ہی علماء کہنے والے لوگ حقیر مفادات کی خاطر ملت کا سودا کرتے ہوئے کھلے عام نظر آ رہے ہیں اور اب جب سے ملک سو فیصد ان لوگوں کے قبضے میں آ گیا ہے جن کا مقصد زندگی ہی مسلمانوں سے ان کی اسلامیت چھین کر ان کو اپنے اندر ضم کر لینا اور انہیں ہر قیمت پر اور جلد از جلد ''ہندو'' بنا دینا ہے۔ وہ بہت کھل کر اور بہت ہی جارحانہ انداز میں ایسے قانون بنا رہے ہیں اور ایسی تدبیریں اختیار کر رہے ہیں جن کے ذریعہ وہ اپنی منزل تک کم سے کم وقت میں پہونچ سکیں اور مسلمانوں کو مشرکانہ کام کرتے دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

اس موقع پر شدید ضرورت ہے کہ ملک میں مسلمانان ہند کی اجتماعی قیادت کی طرف سے پوری ملت تک ایسا واضح پیغام جائے جس سے عام مسلمانوں کو اپنے ایمان اور اپنی اسلامیت کے تحفظ کا احساس بیدار ہو اور ان میں عزم و حوصلے اور حکمت و تدبّر کے ساتھ حالات کے مقابلے کی استعداد بیدار ہو۔ دوسری طرف یہ بھی نہایت ضروری ہے کہ جو لوگ نشۂ قوت میں مبتلا ہو کر من مانی کاروائیاں کر رہے ہیں ان کو لگام دی جائے اور ایسا کرنا نہایت پر امن اور جمہوری طریقوں پر مضبوطی سے کاربند رہتے ہوئے یقیناً ممکن ہے۔

زمینی صورت حال یہ کہ ملک میں ایسے مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد ہے جو ارباب اور اقتدار کے اس طرز عمل کو پسند نہیں کرتے اور اس سے اتفاق نہیں رکھتے ان کو ساتھ لیکر ملک کی رائے عام کو انصاف کے حق میں ہموار کرنا ممکن ہے۔ بس ضرورت ہے کہ مسلمانان ہند ان مسائل کے حل کے لئے جن جماعتوں یا شخصیات کی طرف امید کے ساتھ دیکھتے ہیں وہ اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ سب سے زیادہ امید کے ساتھ زیادہ تر لوگوں کی نگاہ مسلمانوں کے ارباب حل وعقد کی جس ہیئت اجتماعی کی طرف اٹھتی ہے وہ ہے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ۔ اولاً تو اس وجہ سے کہ ہماری سب ہی مرکزی جماعتوں، مکاتب فکر، مسالک اور اہم شخصیات کا وہ متحدہ پلیٹ فارم ہے اور ثانیاً اس لئے کی مسلمانان ہند کی اسلامیت اور ملی تشخص کا تحفظ ہی اس کا واحد مقصد ہے۔

خوشی کی بات یہ ہے کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے ۷ / جون ۲۰۱۵ کو لکھنؤ میں منعقد ہونے

والے مجلس عامہ کے اجلاس میں اس سلسلے میں دو ہرے فیصلے کئے ہیں؛ ایک تو یہ کہ محترم مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب کو بورڈ کا مکمل اختیارات کے ساتھ قائم مقام جنرل سکریٹری بنا دیا گیا۔ اور دوسرے یہ کہ مذکورہ بالا صورت حال کے تحت ایک ''مجلس عمل برائے تحفظ دین وشریعت'' تشکیل دی گئی جس کی کنوینر شپ کی ذمہ داری بھی مولانا سید محمد ولی رحمانی ہی کے سپرد کی گئی امید ہے کہ آنے والے دنوں میں محترم مولانا رحمانی کی قیادت میں ملک میں رائے عام ہموار کرنے اور ملک اور ملت دونوں کو ایک واضح پیغام دینے کے لئے ایک ملک گیر مہم بھی چلائی جائے گی، اور پوری تیاری کے ساتھ عدلیہ سے رجوع بھی کیا جائے گا ہم اس موقع پر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے محترم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب کو مبارک باد پیش کرتے ہیں کہ جنہوں نے بروقت نہایت دانش مندانہ اور مدبّرانہ فیصلے کر کے ملک کے مسلم اور انصاف پسند عوام وخواص کو ایک مثبت پیغام دیا۔ اور ساتھ ہی اپنی ملت کے تمام باشعور اور دردمند افراد سے یہ اپیل کرتے ہیں کہ وہ آنے والے دنوں میں مسلم پرسنل لا بورڈ کی ہر آواز پر لبیک کہے۔ اور اپنے مالی وسائل اور ہنرمندانہ (Professional) صلاحیتوں سے بورڈ کے ہاتھوں کو مضبوط کرے۔ یہ بات محتاج وضاحت نہیں ہے کہ ان سب کاموں کے لئے کافی سرمایہ درکار ہوگا اور مختلف صلاحیتوں، مثلاً وکلاء، ماہرین قانون، جماعتوں، اور سوشل میڈیا کے ماہرین (وغیرہ) کی بھی ضرورت ہوگی جس کے لئے آپ کو محترم مولانا سید ولی رحمانی ہی سے رابطہ کرنا ہوگا۔

یہ شمارہ جب تک آپ تک پہونچے گا، ماہ رمضان المبارک کا پہلا عشرہ گزر چکا ہوگا یا قریب الختم ہوگا ماہ مبارک میں آپ جو کچھ راہ خدا میں خرچ کریں، ایک حصہ ضرور اس ملک میں دین وشریعت کے تحفظ کے لئے ضرور مخصوص کریں جہاں آپ اپنے لئے اور اپنے متعلقین کے لئے دعاؤں کا اہتمام کریں وہیں ان تمام کوششوں کی کامیابی کے لئے بھی ضرور دعائیں مانگیں جو ملک میں اور عالم میں امن وانصاف کا قیام اور ایمان کے تحفظ وبقاء کے لئے کی جارہی ہیں کہ جو کچھ ہوگا اللہ ہی اور اس کی نصرت سے ہوگا۔

☆☆☆

محفل (۱۴۶) سورۃ الأنعام (۵)

حضرت مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی

مشرکین پر اتمامِ حجت کیلئے کچھ اور آیات
اللہ امیری غریبی نہیں، دل دیکھتا ہے

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰہُ سَمْعَکُمْ وَاَبْصَارَکُمْ وَخَتَمَ عَلٰی قُلُوْبِکُمْ مَّنْ اِلٰہٌ غَیْرُ اللّٰہِ یَاْتِیْکُمْ بِہٖ ؕ اُنْظُرْ کَیْفَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ ثُمَّ ھُمْ یَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ قُلْ اَرَءَیْتَکُمْ اِنْ اَتٰىکُمْ عَذَابُ اللّٰہِ بَغْتَۃً اَوْ جَھْرَۃً ھَلْ یُھْلَکُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا یَمَسُّھُمُ الْعَذَابُ بِمَا کَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ﴿۴۹﴾ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰہِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَکُمْ اِنِّیْ مَلَکٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ ؕ قُلْ ھَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَکَّرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَاَنْذِرْ بِہِ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْ یُّحْشَرُوْٓا اِلٰی رَبِّھِمْ لَیْسَ لَھُمْ مِّنْ دُوْنِہٖ وَلِیٌّ وَّلَا شَفِیْعٌ لَّعَلَّھُمْ یَتَّقُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدٰوۃِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْھَہٗ ؕ مَا عَلَیْکَ مِنْ حِسَابِھِمْ مِّنْ شَیْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِکَ عَلَیْھِمْ مِّنْ شَیْءٍ فَتَطْرُدَھُمْ فَتَکُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۲﴾ وَکَذٰلِکَ فَتَنَّا بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ لِّیَقُوْلُوْٓا اَھٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنْۢ بَیْنِنَا ؕ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰکِرِیْنَ ﴿۵۳﴾ وَاِذَا جَآءَکَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ کَتَبَ رَبُّکُمْ عَلٰی نَفْسِہِ الرَّحْمَۃَ ۙ اَنَّہٗ مَنْ عَمِلَ مِنْکُمْ سُوْٓءًا بِجَھَالَۃٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِہٖ وَاَصْلَحَ ۙ فَاَنَّہٗ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۵۴﴾ وَکَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ وَلِتَسْتَبِیْنَ سَبِیْلُ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۵۵﴾

ترجمہ

(پیمبر) کہو کہ اچھا بتاؤ اگر اللہ تمہاری شنوائی اور بینائی لیجائے اور دلوں پر تمہارے مہر

لگادے تو وہ کون معبود اللہ کے سوا ہے جو یہ تمھیں واپس دلا دے گا (۴۶) دیکھو کیسے طرح طرح کے عنوان سے ہم اپنی آیتیں لاتے ہیں پر یہ پھر بھی رُخ گرداں! کہو کہ تم سمجھتے ہو کہ اگر عذاب الٰہی تمھیں اچانک (بے خبری میں) آ پکڑے یا علانیہ آئے، تو بجز ظالموں کے اور کون ہلاک ہوگا؟ (۴۷) اور (دیکھو) ہم رسولوں کو بس خوشخبری دینے والا اور خبردار کرنے والے بنا کر بھیجتے ہیں، پھر جو لوگ ایمان لے آئیں اور اپنا حال درست کرلیں ان کو نہ کوئی خوف ہوگا نہ وہ غم میں پڑیں گے (۴۸) اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے وہ اپنی نافرمانی کے سبب عذاب کا نشانہ بن کے رہیں گے (۴۹) کہو کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے ہاتھ میں اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں اور نا ہی فرشتہ ہونے کا مدعی ہوں، میں تو بس جو وحی مجھ پر کی جاتی ہے اس کا پیرو ہوں۔ کہو کہ کیا اندھا اور بینا برابر ہے؟ کیا تم غور نہیں کرتے! (۵۰)

اور تم (اِن لوگوں کو چھوڑ کر) اُن لوگوں کو اِس (وحی) کے ذریعہ خبردار کرو جو اس بات کا خوف رکھتے ہیں کہ وہ (ایک دن) اپنے رب کے حضور اس طور پر جمع کئے جائیں گے کہ کوئی حمایتی ان کے لئے اُس کے سوا ہوگا نہ سفارشی۔ تاکہ وہ محتاط رہیں (۵۱) اور ان لوگوں کو تم اپنے پاس سے نہ ہٹاؤ جو صبح وشام اپنے رب کو اس کی خوشنودی کی طلب میں یاد کرتے ہیں۔ نہ تم پر ان کی کوئی ذمہ داری ہے نہ ان پر تمھاری، کہ تم انھیں ہٹا کر کے ظالموں میں سے ہوجاؤ (۵۲)

اور ہم نے اسی طرح (امیری اور غریبی کا فرق رکھ کر) بعضوں کو بعض کے ذریعہ آزمائش میں ڈالا ہے، کہ وہ (اُمراء) کہیں کہ کیا یہ ہیں وہ لوگ جنھیں اللہ نے ہم میں سے نوازش کے لئے چنا ہے! تو کیا اللہ اپنے شکرگذار بندوں کو نہیں خوب خوب جاننے والا؟ (۵۳) اور (اے نبی) جب یہ لوگ جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تمھارے پاس آویں تو کہو کہ سلام ہو تم پر، تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت واجب کی ہوئی ہے، کہ تم میں سے کوئی نادانی سے کچھ برائی کر بیٹھے اور پھر توبہ کر کے اپنے کو ٹھیک کرلے تو وہ بہت بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے (۵۴) اور ہم اسی طرح خوب کھول کھول کر اپنی آیتیں بیان کرتے ہیں تاکہ مجرموں کی روش (ایمان والوں کے مقابلہ میں) صاف واضح ہو رہے (۵۵)

دوسروں کے انجام سے عبرت انگیزی کے بعد

اوپر کفار کو فضول قسم کی بحثوں اور فرمائشوں کے نتائج پر متنبّہ کرنے کے لئے گذشتہ قوموں کے کفر و انکار کے نتائج کا کچھ نقشہ کھینچا گیا تھا، کہ وہ کچھ عبرت پکڑیں۔ اب براہ راست ایک سوال کے ذریعہ آگاہ کیا

جارہا ہے کہ اگر تمہاری روش نہ بدلی تو اسی قسم کے کسی انجام کے لئے تیار رہو۔ فرمایا: قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ ۔۔۔ اللہ کی دی ہوئی بینائی، شنوائی اور غور وفکر کی قوتوں کو جو تم نے دعوتِ حق اور راہِ حق کے معاملہ میں بالکل معطل کر رکھا، بلکہ الٹے کام پہ لگا رکھا ہے، سو اگر یہ قوتیں وہ تم سے واپس لے لے تو تمہارے معبودوں میں کوئی ہے جو واپس دلا دے؟ ظاہر ہے اس کا جواب وہ 'ہاں' میں نہیں دے سکتے تھے۔ اتنی قدرت وہ خود بھی اپنے معبودوں میں نہیں جانتے تھے۔ پس آگے فرمایا: اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ (دیکھو ہم کیسے نئے نئے عنوانات سے ان پر حق کھول رہے ہیں مگر یہ ہیں کہ غور وخوض کی قوتوں کو کام میں لانے کے لئے تیار ہی نہیں۔ اس آیت میں ترغیب وترہیب کے ساتھ توحید کی دلیل بھی ہے کہ خود یہ لوگ اپنے معبودوں کو قادرِ مطلق بہر حال نہیں جانتے تھے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کے لئے اس بات کے قائل تھے۔

آگے ایک قدم اور بڑھا کر فرمایا جا رہا ہے: قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً ۔۔۔ الاٰیہ۔ پیمبر ان سے کہو کہ اگر اللہ کا عذاب آدھمکے، یعنی جس عذاب سے میں تم کو برابر خبردار کر رہا ہوں اس عذاب کا فیصلہ اللہ نے اگر فرمالیا تو اس کا لقمہ ''ظالموں کے سوا'' کون بنے گا؟ ۔۔ یہاں ''الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ'' سے مراد بظاہر یہی لوگ ہیں، اور ہونے چاہئیں، جن سے خطاب کیا جا رہا ہے۔ تو ''تمہارے سوا'' کہنے کے بجائے یہ ''ظالموں کے سوا'' کہنے کی وجہ کیا ہے؟ صاحبِ روح المعانی کے مطابق یہ اس بات کو جتانے کے لئے ہے کہ عذاب کی بنا ان لوگوں کی وہ گنہگاری ہوگی جسے قرآن ظلم سے تعبیر کرتا اور اسکے نتائج سے آگاہ کرتا آرہا ہے۔ تاکہ اب بھی سنبھل سکیں تو سنبھل جائیں۔ والعلم عند اللہ۔

رسول معجزے دکھانے کو نہیں بھیجے جاتے!

نیز فرمایا وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۔۔۔ اور ہم جو رسول بھیجتے ہیں ان کا کام صرف یہ ہے کہ لوگوں کو توحید وآخرت پر ایمان لانے اور بندگی کے طریق پر زندگی گزارنے کی دعوت دیں اور بتائیں کہ اس کے قبول کرنے سے کیا فائدہ اور انکار سے کیا نقصان۔ اسی کو فرمایا ان کا کام خوشخبری دینا اور ڈر سنانا (تبشیر و انذار) ہے کہ اُس پر جو لوگ ایمان لائیں وہ اس کا پھل پائیں گے۔ یہ اُن لوگوں کو سنایا جا رہا ہے جو خوشخبری اور ڈراوے پر تو کان نہیں دھرتے تھے البتہ مطالبے کرتے تھے کہ مثلاً فلاں قسم کا معجزہ اپنی صداقت کی نشانی کے طور پر دکھائیں۔ مطلب یہ ہوا کہ رسولوں کا کام یہ نہیں ہے۔ ان سے بات کرنا ہے تو ان کی پیش کردہ دعوت کے بارے میں بات کرو اور ایمان لانے نہ لانے کا صاف فیصلہ کرو۔

معجزات اور کرشموں کے مطالبہ کی بالکل ہی نامعقولیت ظاہر کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مزید کہلوایا جارہا ہے: قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ ۔۔۔کہو کہ میں نے کب کہا ہے کہ میرے ہاتھ میں اللہ کے خزانوں کی کنجی ہے، کہ میں جب اور جو چاہوں تمھارے لئے نشانی اُتار لاؤں۔ اور نا ہی میں غیب کا علم رکھتا ہوں، کہ تمہارے مطالبہ پر بتا سکوں کہ اللہ رب العزت کا کیا ارادہ ہے۔ اور نہ میرا یہ کہنا ہے کہ میں تمہاری جنس سے مختلف جنسِ ملائک کا فرد ہوں، کہ بشریت سے مختلف کوئی بات تمھیں دکھا سکوں۔ میں تو بس اللہ کی طرف سے آنے والی وحی کا پیرو ہوں۔ پس مجھ سے ایسے مطالبات کرنے کے کیا معنیٰ جن کی کوئی بنیاد تم میری باتوں میں نہیں پا سکتے!۔۔۔ نیز، اے رسول کہو کہ کیا اندھا اور بینا برابر ہوسکتا ہے؟ سو کیا تم غور نہیں کرتے؟

اس آخری جملہ کے مفہوم میں کوئی قطعی بات نہیں کہی جاسکتی، قرآن میں بہت سے ایسے مقامات ہیں جہاں مختلف طریقے سے تشریح کی جاسکتی ہے۔ یہاں بھی مختلف اصحاب نے مختلف تشریحات اپنی اپنی سمجھ سے کی ہیں۔ انہی میں ایک تشریح یہ بھی ہوسکتی ہے کہ وحی کی روشنی میں چلنے والے کو بینا اور اس روشنی سے آنکھیں بند کرنے والے کو نابینا قرار دیکر فرمایا گیا ہے کہ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے، جیسے کہ سورۂ رعد میں صاف وارد ہوا ہے:

اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ؕ (آیۃ ۱۹)	بھلا وہ شخص جو جانتا ہو کہ تجھ پر جو کچھ تیرے رب کی طرف سے اُترا ہے وہ حق ہے اس شخص کی مانند ہوگا جو اندھا ہو؟

اور یہ بینائی اور نابینائی آنکھوں کی نہیں، دل کی بینائی اور نابینائی ہے۔ سورۂ حج میں فرمایا گیا:

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾	کیا یہ لوگ ملک میں چلے پھرے نہیں کہ (ماضی کے آثار سے عبرت حاصل کرکے) ان کے دل سمجھنے والے اور کان سننے والے ہوجاتے۔ کیونکہ آنکھیں نہیں اندھی ہوتی ہیں یہ دل ہو تے ہیں جو اندھے ہوجاتے ہیں۔ (۲۲/۴۶)

غربائے مؤمنین اور رؤسائے مشرکین

مشرکین جہاں اپنا ایمان لانا اس پر موقوف دکھاتے تھے کہ ان کے حسبِ طلب کوئی نشان آسمان سے اُترے وہیں ایک ہٹ ان کی یہ بھی تھی کہ ان کے ساتھ آپؐ کی مجلس ہو تو کوئی غریب مسلمان آپؐ کے پاس نہ پھٹکے۔ اور بعض مقاماتِ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس بات کی شدتِ طلب

میں کہ یہ ظالم کسی طرح ایمان کی توفیق پا جائیں ان کی اس فرمائشِ بیجا پر کسی وقت عمل بھی کر لیا۔ (مثلاً سورہ نمبر ۸۰ (عبس) ایسے ہی ایک واقعہ کے حوالہ سے شروع ہوتی ہے) تو اب مضمون کا رُخ اسی مسئلہ کی طرف مڑ رہا ہے جس میں فرمایا جا رہا ہے کہ پیغمبر ان نالائقوں کو چھوڑو اور ان لوگوں کی طرف توجہ کرو جو اللہ کے حضور پیشی کا خوف رکھتے ہیں: وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا ۔۔۔۔ یہ کون لوگ ہیں؟ ایک قول کے مطابق مؤمنینِ صادقین ہیں۔ جن میں غریب اہلِ ایمان کا گروہ بھی داخل ہوا۔ دوسرا قول یہ بھی ہے کہ خالص اہلِ ایمان ہی نہیں بلکہ وہ بھی اس میں داخل ہیں جو ایمان اگرچہ نہیں لائے ہیں مگر آخرت کی بات سنکر تردد میں پڑ گئے ہیں کہ ہوسکتا ہے یہی بات حق ہو پس ایسے لوگوں سے امید کی جاسکتی ہے کہ ان پر محنت کی جائے تو دل ایمان کے لئے کھل جائے اور اس دن کی پکڑ سے بچ جائیں جب کوئی سفارشی اور حمایتی بچانے کے لئے نہیں ہوگا۔

اس کے بعد صراحۃً اِنہی نادار مسلمانوں کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے: وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ ۔۔۔۔ اور ان لوگوں کو اپنے سے دور نہ کرو جو صبح وشام اپنے رب کی عبادت اور پکار میں محض اس کی رضا جوئی کی خاطر لگے رہتے ہیں۔ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۔۔۔۔ یعنی ان کا ظاہری حال تمھارے لئے جائز نہیں رکھتا کہ تم ان کو دور کرو۔ یہ اس صورت میں جائز ہوسکتا تھا جب تم ان کے باطن کا حال ظاہر سے مختلف پاتے۔ اور باطن کا معاملہ یہ ہے کہ اس کا علم صرف اللہ کو ہے۔ نہ تم ان کے باطن کے ذمہ دار نہ وہ تمھارے باطن کے۔ پس ایسی صورت میں تم ان لوگوں کو اپنی مجلس سے ہٹاؤ گے تو ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ یہی مضمون سورۂ شعراء میں حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کے ذکر میں آیا ہے جہاں آیت کے لفظِ ''حساب'' کا مطلب واضح ہو جاتا ہے۔ ان کی قوم کے متکبرین نے جب کہا: اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ۔۔ کیا ہم تم پر ایمان لے آئیں جب کہ تمھاری پیروی کرنے والے رذیل لوگ ہیں؟ تو حضرت نوح نے فرمایا: ''مجھے اس کی کیا خبر کہ وہ کیا کرتے ہیں۔'' اِنْ حِسَابُهُمْ عَلٰى رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ۔! ان کا حساب جانچنا تو میرے رب سے متعلق بات ہے، اگر تم سمجھو۔ اور میں بہرحال ہرگز مؤمنین کو اپنے پاس سے ہانک دینے والا نہیں۔'' پس یہاں ''حساب'' کے لفظ سے معلوم ہوا کہ بات باطن کے معاملے کی ہے۔

غریبی اور امیری کا فرق حِکمۃً رکھا گیا ہے

آگے فرمایا: وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۔۔۔ اور اے نبی یہ امیری اور غریبی کا فرق رکھ کر ہم

نے انسانوں کے باہمی معاملہ میں ایک آزمائش کی صورت پیدا کی ہے۔پس جو بے توفیق اہلِ ثروت و اَمارت ہیں وہ خود کو ایک برتر مخلوق سمجھ کر غرباء کو خاطر میں لانے سے انکار کیا کرتے ہیں اور سوچ ہی نہیں سکتے کہ وہ لوگ کسی معاملہ میں ان سے بڑھ بھی سکتے ہیں۔پس ان غریبوں کا ایمان لانا ان لوگوں کی نظر میں ایمان کی قدر کو گھٹاتا ہے اور کہتے ہیں کہ اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ (کیا یہ مسکین ہی ہم لوگوں میں اللہ کے فضل وکرم کے لئے رہ گئے تھے؟) مگر یہ نہیں جانتے کہ اللہ اَمارت وثروت کو نہیں دیکھتا وہ خصوصی کرم کے لئے شکر گزار دل دیکھتا ہے۔ اور پھر ان مؤمنینِ مساکین کے حق میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ رشک آفریں ہدایت ہوتی ہے: وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۔۔کہ اے نبی، یہ اہلِ ایمان آیا کریں تو کہو کہ سلامتی ہو تم پر، تمہارے رب نے ازروئے رحمت اپنے اوپر واجب فرمایا ہے کہ تم میں سے کوئی اگر کوئی برا کام نادانی سے کر لیتا ہے مگر پھر توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لے تو اللہ غفورُ رحیم ہے۔

سبحان اللہ و بحمدہٖ سبحان اللہ العظیم!

☆☆☆

صفحہ نمبر ۲۰ کا بقیہ۔۔

معقول انتظام نہیں ہے اور وہ تعلیم حاصل کرنے کے لیے سرکاری اسکولوں میں جاتے ہیں، ان کو دینیات اور ایمانی واسلامی عقائد سے صرف آگاہی کے لیے نہیں، بلکہ دینی عقائد واخلاق کی پختگی کے لیے بستی کی مسجد میں یا کسی گھر میں صبیحہ یا شبینہ مکاتب قائم کیے جائیں اور اس میں دینیات وقرآن کریم کی تعلیم دی جائے۔

یاد رہے ہمیں یہ ساری صورتیں سرکاری امداد وتعاون سے پاک رکھنی ہوں گی ان کا سارا بوجھ ہمیں خود برداشت کرنا ہوگا، ہمیں اور ہمارے بچوں کو بھوک کاٹنی ہوگی، قربانیاں دینی ہوں گی، آل واولاد کی بیجا خواہشات سے منہ موڑنا ہوگا۔عمومی سطح پر لوگوں کا ذہن بنا کر ان کو آمادہ کرنا ہوگا۔اس ملک میں اگر ہم اس کے عادی نہیں ہوئے تو ہم ہمارے بچوں کو معیاری تعلیم بھی نہیں دے سکیں گے اور اسلامی تہذیب وثقافت میں بھی نہیں ڈھال سکیں گے، ایسی کوششیں ہمارے اکابرین کر چکے ہیں اور خدا رب العزت کی توفیق سے وہ ان میں کامیاب بھی ہوئے ہیں' اگر ہم بھی اخلاص کے ساتھ اس کارِ عظیم کو کریں گے تو ضرور مددگار مولیٰ ہماری مدد کرے گا اور ہمارے معصوم بچے کفر وشرک کے اس زہر سے نجات پالیں گے جو مادی زہر سے کئی گنا زیادہ ہلاکت خیز ہے اور ارتداد و الحاد زدہ نصاب تعلیم سے محفوظ رہ جائیں گے۔ {ان تنصروا اللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم}

محمد امین قاسمی جودھ پوری ۞

سرکاری اسکولوں میں ''سوریہ نمسکار'' کا لازمی آرڈر اور ہماری ذمہ داریاں

ملک ہندوستان کے بابصیرت، بالغ نظر، دوراندیش اور مثبت سوچ کے حامل محب وطن دانشوروں اور راہنماؤں نے اس کی بنیاد تین اصولوں پر رکھی تھی۔ یعنی یہ ملک تین اصولوں پر کاربند ہوگا اور انہیں کی راہنمائی میں حکومتیں اور قوانین بنیں گے، تعلیمی، تہذیبی اور مذہبی نظام انہیں کے تحت چلے گا۔

(۱) جمہوریت (DEMOCRACY) یعنی اکثریت کی بنیاد پر حکومتی امور طے پائیں گے

(۲) سیکولر زم (SECULARISM) یعنی ہندوستان غیر مذہبی اسٹیٹ ہوگا، مذہبی خودمختاری ہر باشندے کو حاصل ہوگی، حکومت یا ملکی قوانین کسی دوسرے کے مذہب پر دست درازی نہیں کر سکتے، خواہ اس مذہب کے پیروکار اکثریت میں ہوں یا اقلیت میں۔

(۳) عدم تشدد (NON.VIOLENCE) فرقہ وارانہ فسادات سے یہ ملک پاک رہے گا۔ یہ تین اصول مسلم امراء وسلاطین کے زمانے سے پائے جاتے ہیں، آزادی کی تحریک بھی انہیں اصولوں کی بنیاد پر لڑی گئی، اور ملک کا دستوری ڈھانچہ بھی انہیں تین اصولوں پر بنایا گیا، گو یا ہندوستان کی قدیم وجدید تاریخ پر نظر کرنے سے نتیجہ برآمد ہوتا ہے، کہ یہ تین اصول اس ملک کی فطرت اور مزاج بن گئے ہیں۔

لیکن آزادی کے بعد حکومت میں زیادہ تر اہلکاران وعہدیداران برہمنی طبقے سے ہونے کی وجہ سے اس ملک کی حکومتیں ان قوانین پر مضبوطی سے کاربند رہنے کے بجائے برابران کو پائمال کرتی رہیں اور اقلیت وپسماندہ طبقات پر منصوبہ بند سازشوں کے تحت ظلماً ہاتھ اٹھاتی رہیں؛ اس کا مقصد سیاسی روٹیاں سینکنا ہوں یا عالمی سطح کی پالیسیوں کی تکمیل۔ اس میں شک نہیں کہ اقلیتی طبقہ آزادی کے بعد ہمیشہ حکومتوں کی بے رخی کا شکار رہا ہے، حکومتوں کو اس اڑیل مزاج پر آمادہ کرنے میں پسماندہ طبقات کے کچھ تلخ تجربات: قیامِ پاکستان کی تحریک، بابری مسجد کے انہدام اور مختلف فسادات کے موقعوں پر بعض جذباتی نوجوانوں کی شعلہ

۞ مدیر سہ ماہی رسالہ ترجمان دارالعلوم پوکرن، راجستھان

انگیزیوں نے بھی جلتے میں تیل کا کام کیا ہے۔

ہاں! اس میں شِدّت اس وقت آئی جب ۲۰۱۴ء کے عام انتخابات میں بھاری اکثریت کے ساتھ بی۔جے۔پی۔ برسرِ اقتدار آئی؛ جس کا ایجنڈا ہی اس ملک کو ہندو راشٹر بنانا یا ہندوا حیائیت ہے، اس پارٹی نے اپنی فنی مہارت کے ساتھ اقتدار میں آکر بہت ہی مختصر مدت میں ان اصولوں اور قوانین کے خلاف بہت کچھ کرنے کی کوششیں کیں، جن پر محب وطن بانیان نے ہندوستان کی بنیاد رکھی تھی۔ اسی کے ساتھ ساتھ بی۔جے۔پی۔ کی صوبائی حکومتیں بھی مرکز سے شہہ پاکر موقع بموقع جمہوریت اور سیکولرزم مخالف بیانات جاری کرتی رہیں اور حتیٰ الوسع قانون بھی بناتی رہیں۔

یہ صورتِ حال ان صوبوں میں کچھ زیادہ ہی پائی جاتی ہے جو اسلام مخالف گروہ آر۔ایس۔ایس۔ (R.S.S.) اور اس کی شاخاؤں: اے۔بی۔وی۔پی۔ مزدور سنگھ، وشوہندو پریشد، اور بجرنگ دل جیسی سو سے زائد ذیلی تنظیموں کی توجہات کے مرکز رہے ہیں، جہاں ہندوا حیائیت اور اس کے منصوبوں کے پھلنے پھولنے کی راہیں زیادہ ہیں، جو سنگھ سے متأثر اور تعصب پرست اسٹیٹ کہلاتے ہیں۔ ان میں سے ایک صوبہ راجستھان بھی ہے جو ملک میں ہندو انتہا پسندی کے اعتبار سے مشہور ہے۔ تاہم اگر تاریخ میں نشتر زنی نہ کی جائے اور اس پر منصفانہ نظر ڈالی جائے تو یہ صوبہ مختلف مذاہب کا اسٹیٹ ہونے کے باوجود راجا، مہاراجاؤں اور آزادی کے بعد کے زمانے میں بہ نسبت دوسرے جنوبی اور شمالی صوبوں کے؛ کچھ زیادہ ہی امن وسکون کا گہوارہ رہا ہے۔

اس صوبے میں فی الوقت بی۔جے۔پی۔ کی حکومت ہے اور وزیر اعلیٰ کی کرسی پر محترمہ وسندھرا راجے سندھیا براجمان ہیں۔ جو سیکولرزم اور ایماندارانہ چہرے سے میدان میں اتریں اقلیتی طبقے نے ان پر بھروسہ کیا اور وہ کامیاب ہوئیں۔ باوجود اس کے وسندھرا راجے نے اس صوبے کی اولاً مڈل اسکولوں میں اور ثانیاً سیکنڈری اور سینئر سیکنڈری سب ہی اسکولوں میں ''سوریہ نمسکار'' کا لازمی آرڈر جاری کردیا۔ اس میں کوئی شک نہیں اور نہ ہی کسی تاویل کی کوئی گنجائش کہ ''سوریہ نمسکار'' ایک ہندووانہ عقیدہ ہے، جس میں اس مذہب کے ماننے والے دست بستہ سورج کے سامنے کھڑے ہوکر خاص وقت میں خاص طریقے سے اس کی پوجا پاٹ کرتے ہیں، اگر مسلمان بچے اس عمل کو کرتے ہیں تو ان کی سادہ لوحوں پر ایک شرکیہ وکفریہ عقیدہ کس طرح نقش کالحجر ہوتا ہے؟ اور وہ کس طرح ارتداد کی لہر میں جاتے ہیں؟؟؟ یہ کسی سے مخفی نہیں۔

نااہل راقم سطور نے سمجھدار اور سن بلوغیت میں پہنچے ہوئے مسلم اسکولی طلبا سے ''سوریہ نمسکار'' اور ''وندے ماترم'' کے بارے میں پوچھا کہ کیا آپ سے یہ عمل کروایا جاتا ہے یا نہیں؟ دو طلبا کے علاوہ بقیہ

پانچ طلبا نے بتایا جو معیاری اسکولوں میں زیر تعلیم ہیں:

''صبح اسکول میں جاتے ہی ہم سے ''پرارتھنا'' بلوائی جاتی ہے، بعدازاں ''وندے ماترم'' ۲ طلبا آگے پڑھتے ہیں، ہم ان کے پیچھے اس کو دہراتے ہیں، اس کے بعد ۱۰۔۱۲ منٹ تک ''سوریہ نمسکار'' اور ''یوگ'' کروایا جاتا ہے''

یہ تو ان طلبا کا جواب ہوا، ورنہ دیگر کئی اسکولوں میں بھی ''وندے ماترم'' گایا جاتا ہے، جس میں صریح شرکیہ الفاظ واشعار ہیں۔ یہ بات الگ ہے کہ: جو اسکولیں مسلم علاقوں میں قائم ہیں اور وہاں مسلمان طلبا کی اکثریت بھی ہے، یا کسی اسکول میں مسلم اساتذہ ہیں تو وہاں یہ مذکورہ عمل شاید نہیں ہوتا ہوگا، یا جو طلبا ان صریح شرکیہ جملوں کو سمجھتے ہیں وہ بھی ان سے بچتے ہوں گے۔

سمجھنے کی بات یہ ہے کہ یہی وہ بنیادی اور مرکزی نکتہ ہے، جو آزادئ ہند کے بعد ملتِ اسلامیہ ہند یہ کے لیے سب سے اہم اور موت وحیات کا مسئلہ بنا ہوا ہے کہ ہمارے بچوں کا مذہب اور تہذیب بدلنے کی ایک جارحانہ کوشش ہو رہی ہے۔ نصاب تعلیم کی کتابوں میں ہندووانہ عقائد وخیالات اور ہندو تہذیب وروایات کو اتنی بری طرح ٹھونسا گیا ہے اور ٹھونسا جارہا ہے کہ اس کو ہم ہندو مذہب کی تبلیغ وترویج کی اشاعت کے علاوہ، اور ''وندے ماترم'' اور ''سوریہ نمسکار'' کو لازم قرار دینا؛ ہندو تہذیب وروایات پر عمل کروانے کے علاوہ کچھ نہیں کہہ سکتے ہیں۔ اب صورت حال یہ ہے کہ ایک طرف ہمارے آباؤ اجداد نے فیصلہ کیا تھا کہ ہم اور ہماری نسلیں ایمان واسلام کے ساتھ ہندوستان میں رہیں گے، جئیں گے اور مریں گے، دوسری طرف ہمارے بچوں کو عصری تعلیم سے آراستہ کرنا قانوناً اور اخلاقاً ہر اعتبار سے ضروری ہے اور عصری تعلیم حاصل کرنے کا عام ذریعہ یہی اسکولیں ہیں، جہاں صریح مشرکانہ وہندووانہ عقائد اور ہندو تہذیب وتمدن کو پوری دیدہ دلیری اور قانونی حیثیت سے لازم کیا جارہا ہے۔

فی الوقت کرنے کے کچھ کام

اس وقت جو اہم مسئلہ ہے وہ صوبائی حکومت کی طرف سے سرکاری تمام اسکولوں میں ''سوریہ نمسکار'' کا لازمی آرڈر نافذ کرنا ہے، سرکار کا یہ فیصلہ سیکولر طریقے سے کالعدم قرار دیا جائے، اس کے لیے تاریخ کے مطالعہ سے اولاً ہمیں دو کاموں کی طرف راہنمائی ملتی ہے کہ ہمارے اکابرین نے سیکولر طریقہ سے حکومتوں کو مسئلہ کی حسّاسیت کی طرف متوجہ کیا ہے، حکومتوں کو کہا ہے، سنایا ہے، مختلف طریقوں سے احتجاج کیا ہے اور حسبِ ضرورت وہ سب قدم اٹھائے ہیں جن کا ملکی دستور اجازت دیتا ہے؛ چنانچہ جب یوپی سرکار نے اسکولوں میں ''وندے ماترم'' اور مدھیہ پردیش سرکار نے ''سوریہ نمسکار'' کا لازمی آرڈر جاری کیا تو ہمارے اکابرین نے مذکورہ طریقے

اپنائے، بعض اکابرین نے مسلم بچوں کو اسکول جانے تک سے منع کیا، اور عدالتی دروازے بھی کھٹکھٹائے، کئی ہائی کورٹوں اور ملک کے سپریم کورٹ نے مذکورہ دونوں حکومتوں کے خلاف فیصلہ دیا اور ان کو اپنا نافذ کردہ آرڈر بمشکل ہی سہی، واپس لینا پڑا۔ یہ کام کرنے کے لیے زمینی سطح کی مکمل منصوبہ بندی کے ساتھ ساتھ ہمیں ہماری صفوں میں اتحاد دکھانا ہوگا، مسلکی تنظیمی ، اور علاقائی اختلافات وذاتی مفادات کو بالائے طاق رکھنا ہوگا۔ اگر ہماری صفوں میں دراڑ نظر آئی تو دشمن اس سے فائدہ اٹھالے گا، جیسے پہلے اٹھاتا رہا ہے اور ہمارے بچوں کو الحاد وارتداد کے زہر سے بچانا مشکل ہوجائے گا۔

دوسرا مثبت اور تعمیری کام یہ ہے کہ ہمہ گیر اور وسیع پیمانے پر مکاتب دینیہ کا انتظام کیا جائے، جہاں مکاتب قائم ہیں ان کو مضبوط کیا جائے، اور جن علاقوں میں مکاتب کا قیام اب تک نہیں ہوا ہے وہاں مکاتب قرآنیہ کے قیام کی شکلیں وصورتیں اپنائی جائیں۔

نمبر ۲ر کے تحت فی الوقت کرنے کے چار کام

(۱) ان دینی مکاتب کے ساتھ پرائمری درجہ تک عصری تعلیم کا عمدہ نظم کیا جائے۔ اس میں سرکاری معیار کے مطابق نصاب بنایا جائے۔ جس میں ہندی، انگلش، حساب، تاریخ اور جغرافیہ سب شامل ہوں۔

(۲) جن اسلامی مدارس میں دینی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم کا بندوبست ہے ان کو مزید فعال کیا جائے۔ اور طلبا کے لیے عصری تعلیم سے بھی جڑنے کے مواقع فراہم کیے جائیں۔

(۳) صوبائی یا ملکی پیمانے پر جو یونیورسٹیاں، کالجز اور اسکولیں مسلمانوں کے زیر انتظام چل رہی ہیں، ان میں اگر پرائمری درجے کا انتظام نہیں ہے تو ان میں بھی پرائمری درجے کا معقول اور معیاری اسکول قائم کیا جائے۔

(۴) جس طرح مسلمان آج تک مکاتبِ قرآنیہ، دینی مدارس یا اسلامیہ اسکول اپنی قومی وملی ضرورت سمجھ کر قائم کرتے اور چلاتے آرہے ہیں، اسی طرح پرائمری درجے کے اسلامی مکاتب بھی محلہ محلہ اور گاؤں گاؤں قائم کیے جائیں۔ اور چھوٹے بڑے قصبات اور شہروں میں سرکاری مداخلت سے پاک اسلامی واخلاقی اطوار کی حامل سیکنڈری اور سینئر سیکنڈری اسکولیں بھی قائم کی جائیں تاکہ پرائمری تعلیم کے یہ طلبا ان اسکولوں میں داخلہ لے سکیں۔

ان سب کوششوں کے باوجود وہ طلبا رہ جاتے ہیں جن کی بستیوں میں اسلامی مکاتب اور پرائمری تعلیم کا۔۔۔

بقیہ صفحہ نمبر ۱۶ پر۔۔۔۔

محبوب فروغ احمد قاسمی

بہار کا قافلۂ رشد وہدایت

اسلام ایک ابدی مذہب ہے جو زندگی کی پوری تازگی اور توانائی سے لبریز ہے، اس زندگی اور توانائی کو برقرار رکھنے کے لئے ہر دور میں ایسی شخصیتوں کا وجود ضروری ہے جو خود بھی ربانی صفات سے لیس ہوں اور دوسروں کو بھی روح کی غذائیت اور معنویت کی خوراک مہیا کرسکیں۔ خدا کا شکر ہے کہ ان ربانی صفات کی حامل جماعت ہر دور میں اور ہر خطہ میں پائی جاتی رہی ہے اور جہاں جیسی ضرورت ہوتی رہی وہاں ویسی ہی شخصیتیں جنم لیتی رہیں، یہ بھی اسلام ہی کا امتیاز ہے جو اس کے زندہ اور کامل ومکمل دین ہونے کی علامت ہے ورنہ پچھلے ادیان کے فنا ہونے کا راز یہی ہے کہ یا تو ان کو ایسے اشخاص نہ ملے یا ایسے لوگ ملے جو اپنے دین ومذہب کے لئے مضر ثابت ہوئے، جنہوں نے محض ہوس نفسانی کی تسکین کی خاطر دشمنوں سے بھی ساز باز کرنے سے دریغ نہ کیا۔

''خطۂ بہار'' دریاؤں کی روانی اور ہواؤں کے جھونکوں پر آباد ایک پُر بہار علاقہ ہے جو مردم خیزی اور زرخیزی کی افزائش میں مشہور ومعروف ہے، ہر ہر دور میں علمی وقار کی ضمانت اور علمی وفکری سیادت وقیادت میں وافر حصہ رہا ہے۔

چونکہ ''بہار'' ''ویہار'' کا ایک تلفظ ہے ''ویہار'' بدھ مذہب کی تعلیمی خانقاہوں کا نام ہے، اس مذہب کی تعلیم گاہوں کی اس صوبے میں اکثریت تھی حتیٰ کی بعض تعلیم گاہوں میں بیک وقت بارہ بارہ ہزار طلبہ کی تعداد ہوجاتی تھی اس لئے اس صوبے کو ''بہار'' سے تعبیر کیا گیا۔ (ماخوذ از: ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت: ۱/ ۲۹)

اس لحاظ سے ''بہار'' ہر دور میں خانقاہی اور تعلیمی آماجگاہ رہا ہے، اور یہاں کی خانقاہیں اور مدرسے

تبلیغی مساعی اور دعوتی جد وجہد میں پیش پیش رہے ہیں، بالخصوص خانقاہوں نے صرف اس خطے ہی میں نہیں بلکہ ہر جگہ مدارس سے نسبتاً بہتر نقوش لوگوں کے دلوں پر قایم کئے، جناب سید صباح الدین عبد الرحمٰن تجزیہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''اور یہ حقیقت ہے کہ اچھی معاشرت، اچھے صلحاء اور صوفیاء کے طفیل ہی بنتی رہی، اکثر صوفیاء انابت، عبادت اور ریاضت شاقّہ کے بعد تمکین وتلوین، مجاہدہ ومشاہدہ کی منزلیں طے کرکے اور عالم ملکوت وجبروت ولاہوت کی دولت سمیٹ کے خانقاہوں میں رشد وہدایت کے لئے بیٹھ جاتے ہیں تو ان کی ذات تجلی ربانی وروحانی کی ایک شمع بن جاتی ہے اور لوگ پروانہ واران کے ارد گرد جمع ہوجاتے ہیں اور وہ لوگوں کے اخلاق وسیرت کو اپنے اعلیٰ کردار کے عملی نمونہ سے سنوارنے کی کوشش کرتے ہیں، اور یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ مسلمانوں کے اعلیٰ اخلاق کی تعلیم کا مرکز علماء کا حلقۂ درس وتدریس یا ان کا مسکن نہیں رہا اور نہ سلاطین کے درباروں میں اس کے جلوے دکھائے دئے، بلکہ مسلمانوں کے اخلاق حمیدہ کی تعلیم صوفیاء کرام کی خانقاہوں میں ہوئی اور جب یہاں کے غیر مسلم باشندے مسلمان حکمرانوں کی تلوار کو اسلام کی تلوار سمجھ کر اسلام سے آزردہ اور خوف زدہ ہورہے تھے تو ان فقر وفاقہ والے بزرگوں کے تزکیۂ باطن اور تہذیبِ نفس کو دیکھ کر ان کے دلوں پر اسلام کی سچی عظمت وشوکت قائم ہوگئی''

(ہندوستان کے سلاطین، علماء اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر: ۱۳۶-۱۳۷)

ہم بہار کے تعلق سے داعی علماء اور باکردار صوفیاء کی آمد ورفت کا آغاز چھٹی ہجری سے پاتے ہیں، شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیریؒ کے جد امجد ''محمد تاج فقیہ'' قدس خلیل سے ۵۷۶ھ میں قصبۂ منیر ضلع پٹنہ میں فروکش ہوتے ہیں بعد ازاں وہاں کے راجہ سے جنگ کرکے فتح مندی حاصل کرتے ہیں پھر اپنے صاحب زادگان کو قائم مقام بنا کر خود بیت المقدس روانہ ہوجاتے ہیں۔

گویا یہ پہلی کوشش تھی جن کا آغاز خاندان ''منیر'' کے ہاتھوں ہوا، سیرت الاشرف کے مؤلف نے یہاں ایک قطعۂ تاریخ نقل کیا ہے۔

یافت چوں بر راجہ منیر ظفر | داد امام از وین جہانے رانوی
ہست منقول از بزرگانِ سلف | سال آن دین محمدی شرقدی

گویا یہ علاقہ شہاب الدین غوری کی فتح ہند ۵۸۸ھ سے بیشتر ہی اسلام کے نور سے منور ہوچکا تھا اور مسلمان غزنویوں کے عہد ہی میں بہار وبنگال پہونچ گئے تھے۔

(ماخوذ از تاریخ دعوت وعزیمت: ۳/ ۱۷۸-۱۷۹)

قاضی پیر جگ جوت

البتہ تاریخی تسلسل کے لحاظ سے سب سے پہلا نام قاضی پیر جگجوت کا ملتا ہے، آپ ایک عالی خاندان سادات جعفری سے تعلق رکھتے تھے، آپ کا خاندان کئی پشتوں سے ''کاشغر'' کی فرماں روائی کرتا آرہا تھا ۷۰۵ھ میں پیدا ہوئے، حضرت نجم الدین کبری کے حلقۂ درس سے علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کر کے سلطنت کو سنبھال لیا تھا مگر جذبۂ الٰہی اور عشق حقیقی نے چین سے بیٹھنے نہیں دیا، سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر مع اہل و عیال لاہور ہوتے ہوئے ''بہار'' کے علاقہ ''منیر'' یا ''حاجی پور'' میں فروکش ہوئے پھر اپنے سمدھی حضرت آدم صوفی کی درخواست پر پٹنہ کے قریب مقام ''جیٹھلی'' میں مستقل اقامت کر لی، کل ۹۶ بہاریں دیکھنے اور بہت سے بندگانِ خدا کا رب حقیقی سے رشتہ جوڑنے کے بعد ۲۱ ذی قعدہ ۶۶۶ھ میں انتقال فرما گئے۔ (نزھۃ الخواطر: ۱/ ۱۲۰)

حضرت شیخ پیر جگجوت، شیخ شہاب الدین سہروردی کے مریدوں میں سے تھے، آپ نے ''جگجوت'' (دنیا کی روشنی) سے شہرت پائی، آپ کے خاندان سے رشد و ہدایت کا خوب کام ہوا، آپ ہی کے نواسے ہیں شیخ شرف الدین یحییٰ منیری اور شیخ احمد چرم پوش جن سے صرف بہار ہی مستفید نہیں ہوا بلکہ اکناف واطراف کی تمام آبادی جگمگا اٹھی، گویا ہر طرف ایک ہی غلغلہ باقی رہا۔

صد کتاب و صد ورق در نار کن
سینہ را از نور حق گلزار کن

شیخ یحییٰ منیری

آپ شیخ شرف الدین یحییٰ کے والد اور فاتح منیر محمد تاج فقیہ کے بڑے صاحبزادے مخدوم شاہ اسرائیل منیری کے صاحبزادے ہیں، آپ ''قدس خلیل'' میں ۷۲۵ھ میں پیدا ہوئے، چار سال کی عمر میں اپنے دادا کے ساتھ نقل مکانی کر کے بہار چلے آئے، شیخ شہاب الدین سے بیعت ہوئے بعد میں خلافت بھی ملی، آپ کی بزرگی کا شہرہ دور و نزدیک خوب ہوا، خلق خدا نے آپ سے رشد و ہدایت کا درس لیا ۱۱۸ سال کی عمر میں جمعرات کے روز، ۱۱ شعبان ۶۹ھ میں انتقال ہوا۔

شیخ شرف الدین یحییٰ منیری

احمد بن یحییٰ، شرف الدین کے لقب اور مخدوم الملک کے خطاب سے مشہور ہیں، آپ کا پدری سلسلہ

نسب حضرت عبداللہ بن زبیر تک جاتا ہے اس طرح ہاشمی قریشی ہوئے۔

شعبان کے آخری جمعہ ۶۶۱ھ کو قصبہ ''منیر'' میں پیدا ہوئے، تاریخ وولایت ''شرف آنگیں'' سے نکلتی ہے، آپ نے ابتدائی مکتبی تعلیم اپنے قصبہ میں حاصل کی، مزید علمی تشنگی کی آبیاری کے لئے اس وقت کے مشہور ترین عالم مولانا شرف الدین ابوتوامہ دہلی کے پاس تشریف لے گئے جس کا واقعہ یہ پیش آیا:

شیخ ابوتوامہ دہلی میں درس و تدریس میں مشغول تھے، غیاث الدن بلبن کے دور میں بعض حاسدوں کی ریشہ دانیوں کی وجہ سے ترک وطن پر مجبور ہوئے، چنانچہ ''بہار شریف'' کے راستے ہندوستان کے آخری سرحدی سنارگاؤں کا قصد کیا، قصبہ منیر کے باشندگان نے بڑھ کر استقبال کیا، چنانچہ شیخ نے کچھ دنوں قیام کر کے سنارگاؤں کوچ کیا، شیخ کے صلاح وتقویٰ کا شہرہ ہوا تو شیخ شرف الدین بھی متاثر ہوئے، بالآخر ماں سے اجازت لے کر سنارگاؤں تشریف لے گئے اور جب تک علوم ظاہری کی تکمیل نہ کی گھر نہ لوٹے، استاد بھی شاگرد سے متأثر تھے چنانچہ اپنی صاحبزادی سے شادی کردی، ان سے ایک لڑکا پیدا ہوا، اتنے میں والد کے انتقال کی خبر ملی اور آپ وطن لوٹ آئے۔

شیخ کی تلاش

حضرت مخدوم نے علوم ظاہری پر اکتفاء نہیں کیا باطنی کمال کے حصول کے لئے ۶۹۱ھ میں دہلی کی طرف نکل پڑے، دہلی اس وقت علماء وصوفیاء کا قابل دید وقابل ذکر مرکز تھا، آپ نے ہر شیخ کا ناقدانہ جائزہ لیا لیکن سیری نہیں ہوئی آخر میں شیخ نجیب الدین فردوسی کے یہاں پہونچے پہلی ہی ملاقات میں اس حد تک متأثر ہوئے کہ ساری زندگی اسیر ہو کر رہے، تھوڑے عرصہ میں شیخ نے خلعت خلافت عطا کی اور تاکید کی کہ اس کو قبول کریں، رخصت کرتے ہوئے تاکید کردی کہ اگر کوئی بری خبر ملے تو لوٹنے کی ضرورت نہیں چنانچہ یہی ہوا ابھی دو ہی منزل طے کی تھیں کہ شیخ کی وفات کی خبر آئی لیکن شیخ کی تاکید کی وجہ سے سفر کو جاری رکھا۔

جنگل کی راہ

لیکن شیخ نے جو چنگاری مخدوم صاحب کے دل میں چھوڑ دی تھی رخصت ہوتے ہوئے ایک چوٹ سی لگی ابھی آپ ''منیر'' سے کوئی تیس میل دور ضلع آرا کے مقام ''بہیّا'' پر تھے کہ مور کی چنگھارسنی، دل میں ہوک پیدا ہوئی، گریبان چاک کر کے جنگل کی راہ لی، ساتھ میں آپ کے بڑے بھائی و دیگر رفقاء تھے، بہت تلاش کیا جب مایوس ہو گئے تو شیخ نجیب الدین کے تمام برکات والدہ کی خدمت میں پہونچا کر حالات

سنا دیئے، بارہ برس تک ''بہیّا'' کے جنگل میں رہے، راجگیر کے جنگل میں بھی دیکھے گئے، ایک قول کے مطابق تیس سال جنگلوں میں رہے۔ (بزم صوفیہ: ۴۰۷)

بڑی کوششوں کے بعد آبادی میں آسکے۔ سلطان محمد تغلق جو ۷۲۵ھ میں تخت نشیں ہوا، شریعت کا پابند بادشاہ، خلق خدا سے عشق کی حد تک دل چسپی رکھنے والا تھا، اس نے بجبر و اکراہ خانقاہ تعمیر کروائی اور جاگیر الارٹ کی جو شاہ کی وفات کے بعد بصد اصرار حضرت مخدوم نے واپس کردی اس طرح ۷۲۴ھ تک نصف صدی سے زائد کا عرصہ آپ خلق خدا کی ہدایت فرماتے رہے، بعض حضرات کے بقول اس عرصہ میں ایک لاکھ سے زائد انسان آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے، متعدد ہندوؤں اور مرتاض جوگیوں نے اسلام قبول کیا۔

تربیت کا راز

تذکرہ نگاروں نے دو اہم ذریعہ اس سلسلہ میں درج کئے ہیں جن سے آپ کی مساعی جلیلہ میں نکھار آیا، اور روز افزوں گرفت مضبوط ہوتی گئی۔

(۱) آپ کی مجلس میں ہر کسی کو شرکت کی اجازت نہ تھی بلکہ ہر قسم کے اشکالات پیش کرنے پر شاباشی بھی دی جاتی تھی، اس طرح ہزاروں دلوں کے شکوک وشبہات ایک ہی مجلس کی چند ساعتوں میں کافور ہوجایا کرتے

(۲) لیکن جو حضرات مجلس میں شرکت کسی وجہ سے نہ کرسکتے ہوں تو ان کے لئے آپ کے مکتوبات نے رشد وہدایت میں اہم رول ادا کیا، سلوک وطریقت کے بیش بہا رموز ونکات، اور عالم تصوف کے لعل وگہر سے لبریز یہ مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات کے بعد دوسرے نمبر پر سمجھے جاتے ہیں، جن میں علوم و معارف سمیت اصلاح ودرستگی کا بے نظیر خزانہ سمیٹ کر رکھ دیا گیا ہے۔

آپ کے تجدیدی کارنامے صوفیہ کے حلقے میں

اس دور کے سالکین میں ایک غلط خیال یہ پھیل چکا تھا کہ ولایت کا درجہ نبوت سے بڑھا ہوا ہے کیوں کہ نبوت کا موضوع دعوت ہے جس کا تعلق خلق سے ہے، جب کہ ''ولی'' کا اصل منشاء توجہ الی الحق اور انقطاع عن الخلق ہوتا ہے اور یہ لازمی بات ہے کہ متوجہ الی الحق اعلیٰ وارفع مانا جاتا ہے متوجہ الی الخلق سے۔

حضرت مخدوم نے اپنے خطوط میں اس غلط خیال کی پرزور تردید کی ہے، کیوں کہ اس سے بہر حال نبوت کی تحقیر لازم آتی ہے، آپ نے صاف صاف بیان کیا کہ نبی ہر حال میں ولی ہوتا ہے جب کہ ولی کا نبی

ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ اب ولی نبی نہیں ہوسکتا نیز نبی کی ایک ساعت پر ولی کی عمر بھر کی ساعتیں اگر قربان ہوں تب بھی مقابلہ نہیں ہوسکتا ہے، ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

''باتفاق جملہ مشائخ طریقت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تمام اوقات و احوال میں اولیاء پیغمبروں کے تابع ہیں اور انبیاء اولیا سے افضل ہیں جو ولایت کی نیابت ہے وہ نبوت کی ہدایت ہے، تمام انبیاء ولی ہوتے ہیں لیکن اولیاء میں سے کوئی نبی نہیں ہوتا علماء اہلسنت والجماعت اور اس طریق کے محققین میں اس مسئلہ کے بارے میں کسی کا اختلاف نہیں ،ہاں ملحدین کا ایک گروہ کہتا ہے کہ اولیاء انبیاء سے افضل ہیں''

نیز تصوف کے بعض حلقوں میں اس بات پر بھی یقین تھا کہ شریعت کی پابندی ایک خاص وقت تک محدود ہے، جب مرتبۂ یقین حاصل ہوجائے تو سالک شریعت کی پابندی سے آزاد ہوجاتا ہے، حضرت مخدوم نے اپنے مکتوب میں ایک نرالے انداز اور ایک تمثیلی بیان سے سمجھایا ہے کہ زندگی کی آخری رمق باقی رہنے تک شریعت کی پابندی ضروری ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے: تاریخ دعوت وعزیمت: ۳-۱۷۷ تا ۳۰۵)

خواجہ نصیرالدین چراغ دہلوی نے جب مکتوبات صدی و دوصدی کا مطالعہ فرمایا تو کہا:

''سبحان اللہ: شیخ شرف الدین یحییٰ منیری نے ہم لوگوں کے صد سالہ کفر کو ہتھیلی پر رکھ دیا ہے''

(مناقب الاصفیاء: ص ۱۰۴)

اسی طرح حضرت سید جلال الدین بخاری جہانیان جہاں گشت سے ان کی آخر عمر میں دل چسپی کا امر پوچھا گیا تو فرمایا: شیخ منیرالدین کے مکتوبات کا مطالعہ کرتا رہتا ہوں''

مناقب الاصفیاء میں ہے: ''جہاں نیاں جہاں گشت'' حضرت مخدوم کے تعلق سے فرمایا کرتے تھے: ''بوئے عشق از طرف بہار می آید'' (مناقب الاصفیاء، ص ۱۴۱)

شہنشاہ سلوک نے اس طرح علمی و روحانی فیض پہونچا کر ۱۳۶۸ء میں بعہد فیروز شاہ تغلق دار فانی کو خیر آباد کہا اور ہمیشہ کے لئے اسی رب حقیقی کے جوار میں پہونچ گئے جن تک پہونچانے کے لئے زندگی کے لمحات کو وقف کر رکھا تھا۔

خاندان منیر کے ایک اور چشم و چراغ مخدوم شیخ احمد چرم پوش

خاندانِ منیری کا ہر فرد اپنی جگہ پیر مغاں معلوم ہوتا ہے، انہی میں ایک نام مخدوم شیخ چرم پوش کا

ہے، آپ پیر جگجوت کے نواسے اور مخدوم شرف الدین یحییٰ منیری کے خالہ زاد بھائی ہیں، آپ کے والد کا نام موسیٰ حمدانی ہے، آپ ۶۵۷ھ میں پیدا ہوئے علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد شیخ سلیمان مہسوی کی خدمت میں حاضر ہوئے، باقاعدہ بیعت شیخ سلیمان کے خلیفہ علاء الدین علاء الحق سہروردی سے تھے، آپ نے تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کو اپنا فریضہ سمجھا، چنانچہ اس کام کے لئے انہوں نے دور دراز کی بادیہ پیمائی کی، آپ کی شہرت ہندوستان بھر میں تھی، فیروز شاہ تغلق کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ بھی ''بہار شریف'' محض آپ کے یہاں حاضری کے لئے آیا کرتا تھا، وصال ۲۶ صفر سہ شنبہ ۷۶۶ھ کو ہوا، بہار شریف میں مدفون ہیں۔

دسویں صدی کا اختتام اور ہندوستان کی زبوں حالی

ایک طرف ہندوستان دسویں صدی کو مکمل کر رہا تھا اور مسلمانون کے عہد زریں کا ایک سنہرا باب لکھا جانے ہی والا تھا کہ اچانک اکبر بادشاہ کی تخت نشینی، گرد و نواح کی بے راہ روی اور خواہشات کے نت نئے روپ نے ''دین الٰہی'' کا شوشہ چھوڑا جس سے ہندوستان ہی نہیں پورا عالم اسلام ششدر ہو کر رہ گیا، اللہ پاک نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کو اس گندے، پراگندے اور زہر آلود ماحول کو پاکیزہ بنانے کے لئے کمر بستہ کیا، پورے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ فتنہ ''دین الٰہی'' اور الحاد اکبری کو ختم کرنے میں جس قدر حضرت مجدد صاحب کی شبانہ روز کوششوں کو دخل ہے وہ انہی کا حصہ تھا جو ان پر ہی ختم ہو گیا، آپ ہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ اکبر کے بعد جہانگیر پھر شاہ جہاں اور اخیر میں عالمگیر اورنگزیب میں بتدریج دینی استقامت اور مذہبی پختگی کی شان پیدا ہو گئی، حضرت عالمگیر کا دور ایک سنہرا دور ہے اسلام کی اشاعت اس دور میں حکومت کی سرپرستی میں ہوئی جس سے بعد کی تاریخ خالی نظر آتی ہے، پروفیسر ''جدوناتھ'' سرکار اپنی مشہور تاریخ ''اورنگ زیب'' کا آغاز ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> ''اورنگ زیب کی تاریخ عملاً ہندوستان کی شصت سالہ تاریخ ہے خود اس کا عہد حکومت (۱۶۵۸ تا ۱۷۰۷) سترھویں صدی کے منتصف آخر پر حاوی ہے اور ہمارے ملک کا اہم تاریخی زمانہ ہے، یہ اسی بادشاہ کا ورود مسعود تھا جبکہ حکومت مغلیہ اپنے انتہائی عروج کو پہونچی اور ابتدائے عہد تاریخ سے برطانوی حکومت کے قیام تک کے زمانہ میں شاید یہ واحد حکومت ہے جس نے اتنی وسعت حاصل کی، غزنی سے لیکر چاٹگام تک اور کشمیر سے لیکر کرناٹک تک تمام ملک ایک ہی بادشاہ کے زیر نگیں تھا، اور لاؤ لشکر و مالا بار کے دور دراز مقامات پر بھی اسی بادشاہ کا خطبہ پڑھا جاتا تھا، اسلام کی آخری سب سے بڑی ترقی کا یہی زمانہ تھا'' (علماء ہند کا شاندار ماضی: ۱/ ۴۶۷)

گویا کہ عالمگیر اورنگ زیب کا دینی رجحان اور ایمانی جذبہ پورے ملک میں کام کر رہا تھا، لیکن غور یہ کرنا ہے کہ عالم گیر کی روح کو صیقل کس نے کیا؟ اس کے لئے جب ہم ان کے بچپن کے حالات کو پڑھتے ہیں تو عجیب وغریب انکشاف ہوتا ہے۔

اساتذہ کا کردار

عالمگیر ایک شاہی خاندان کے بچے تھے جو شاہ جہاں کے گھر پیدا ہوئے، شاہ جہاں کی خوش بختی تھی کہ انہوں نے اپنے بیٹے کی تعلیم وتربیت پر توجہ دی، چنانچہ ملک کے مختلف گوشوں کے باصلاحیت دینی جذبہ سے سرشار علماء کو دعوت دی چنانچہ انہی باصلاحیت اور تاریخ ساز شخصیتوں میں میر محمد ہاشم گیلانی اور ملا موہن بہاری کا نام ملتا ہے، ان حضرات کی توجہ خاص سے ملحد گھر میں پیدا ہونے والا بچہ بعد میں مجدد ملت ثابت ہوا، ایک داعی سینکڑوں اور لاکھوں انسانوں کو راہ راست پر لا کر بھی وہ کام نہیں کر سکتا جو کام عالمگیر کے اساتذہ نے باطن کو مانجھ کر اور اسلام کی صحیح تصویر کشی کر کے کیا۔

اور یہ کوئی عالمگیر ہی کے ساتھ بہار کے علماء کا برتاؤ نہیں رہا، بلکہ دار السلطنت سے دور ہونے کے باوجود ہر دور میں ''بہار'' کے علماء دار السلطنت میں تعلیم وتربیت میں مشغول نظر آتے ہیں، عالمگیر کے بعد شاہ عالم نے اپنے عالی گوہر کا استاذ مولوی سراج الدین کو مقرر کیا، جو عظیم آباد ''پٹنہ'' سے کچھ دور کے فاصلے پر واقع ''فرید پور'' کے رہنے والے تھے، اسی طرح زیب النساء کے اساتذہ میں ملا سعید کا نام ملتا ہے جو مونگیر میں مدفون ہیں، اسی زمانہ کے شیخ بڈھ حقانی ایک مشہور عالم ہیں جن کی جوتیاں شیر شاہ سوری سیدھی کر کے فخر محسوس کرتا تھا۔ (دیکھئے: نظام تعلیم وتربیت مولانا گیلانی، ج ۲/ ۲۹۷-۲۹۸)

مولانا شہباز محمد بھاگلپوری اور اشاعت اسلام وتکمیل احسان

حضرت مولانا شہباز محمد بھاگلپوری ۹۵۶ھ میں ہمایوں بادشاہ کے عہد میں ''دیوار'' میں پیدا ہوئے، شیخ شاہ محمد دیوری سے علم حاصل کیا، طریقت کا درس شیخ یاسین سلمانوی سے لیا، جب آپ کی عمر تیس سال کو پہونچی تو بھاگلپور منتقل ہو گئے، نیز ''ملا چک نامی جگہ پر سکونت اختیار کی، آپ نے ایک مدرسہ ''شہبازیہ'' کے نام سے قائم کیا، جس کا تذکرہ ڈبلو ڈبلو ہنٹر کی تحریر میں بھی ملتا ہے، فتاویٰ عالمگیری کے مرتبین میں سے شیخ رضی الدین اسی مدرسہ کے پروردہ اور فیض یافتہ ہیں ''تذکرہ صادقہ'' کے مؤلف نے لکھا ہے کہ حضرت مولانا سے صدہا طالب علم فیض یاب ہوئے اور بلند منازل پر پہونچے اور صدہا حضرات آپ کی صحبت میں رہ کر اولیائے کاملین میں شامل ہوئے۔

آپ کی اصلاحی کوششوں اور تبلیغی مساعی کا تذکرہ کرتے ہوئے تذکرۂ علماء بہار کے مصنف نے لکھا ہے:

''حضرت مولانا نے بنگال اور بہار میں اشاعت اسلام کی بڑی خدمت کی، آپ کی خانقاہ سے محبت اور اخوت کی تعلیم ہندوستان کے بیشتر حصوں میں پہونچی، سیالکوٹ، ڈھاکہ، پنڈوہ، میدنی پور، بردوان، تیگھڑہ، پٹنہ اور انبالہ کے قرب و جوار کے علاقے اسلام اور روحانیت روشن ہوئے'' (تذکرہ علماء بہار: ۱/۱۲۱)

اس کے ساتھ ساتھ درس وتدریس میں انہماک عشق کی حد تک تھا حتی کی آخری وقت میں ''مشکوٰۃ'' کا درس دے کر فارغ ہوئے اور روح پرواز کر گئی، یہ واقعہ ۱۶ صفر ۱۰۵۰ھ، ۱۶۴۰ء کو پیش آیا، بھاگلپور میں مدفون ہیں۔

خانقاہ مجیبیہ کا سرخیل شیخ مجیب اللہ پھلواروی

کاروان سلوک وعرفان کا قافلۂ رشد وہدایت ہمہ دم عازم سفر ہے، ہر صبح ایک نئی صبح ہوتی ہے، اور ہر شام ایک نئے عزم وحوصلہ کا پیغام، ایسے ہی بندگان خدا ترس میں ایک نام تاج العارفین شیخ مجیب اللہ بن ظہور اللہ جعفری پھلواروی کا ہے، آپ ۱۱ ربیع الثانی ۱۰۹۸ھ مطابق ۱۴ فروری ۱۶۸۷ء بروز دوشنبہ کو پیدا ہوئے ابتدائی کتابیں اپنے پھوپھا شاہ برہان الدین سے پڑھیں، ۱۱۰۵ سے ۱۱۱۵ھ تک دس سال خواجہ عماد الدین قلندر کے درس میں رہے متوسطات کی تکمیل کے بعد حضرت مخدوم پھلواروی کے ساتھ بنارس تشریف لے گئے اور حضرت مولانا سید وارث رسول بنارسی سے اکتساب فیض کیا، اجازت وخلافت ملنے کے بعد اپنے وطن پھلواری میں مستقل سکونت اختیار کی، خواجہ عماد الدین نے بھی بیعت کی اجازت دی، بلکہ اپنے مریدین ومعتقدین بھی آپ کے حوالے کر دیے، آپ نے ایک خانقاہ کی بنیاد رکھی جو اب تک خانقاہ مجیبیہ کے نام سے جانی جاتی ہے، خانقاہ مجیبیہ نے پورے ہندوستان کی عام طور پر اور صوبۂ بہار کی خاص طور پر ہدایت کا سامان مہیا کیا، بلکہ ہر مشکل وقت میں مناسب حال اقدام کیا، اس خانقاہ سے رشد وہدایت کے ایسے چشمے جاری ہوئے جس نے دلوں کو صیقل اور روح کو مانجھ کر عشق حقیقی کی آگ بھڑکا کر رکھ دی، اس خانقاہ کے منتسبین کی فہرست طویل ہے، جس کے لئے ایک ضخیم کتاب درکار ہے، ماضی قریب میں اس سلسلہ میں کوشش ہوئی بھی ہے اور مزید کی جمع وترتیب کے لئے کوشاں بھی ہیں، امارت شرعیہ بہار اڑیسہ جھارکھنڈ کا تاسیسی بیج دراصل اسی خانقاہ میں بویا گیا جس کے پہلے امیر شریعت شاہ محمد بدرالدین قادری پھلواروی (پیدائش ۲۷ جمادی الآخر ۱۲۶۸ھ، وفات: ۱۳۴۳ھ) ہیں جو اسی خانقاہ کے پروردہ اور اسی سلسلۂ مجیبیہ کے چشم وچراغ

ہیں۔(جاری)

حضرت مولانا محمد احسن گیلانی اور اصلاح باطن

حضرت مولانا محمد احسن گیلانی بھی ان باخدا اور اصحاب دل بزرگوں میں سے ہیں جن سے خلق اللہ کی اصلاح کا کام بہت ہوا، آپ گیلانی حال ضلع نالندہ میں پیدا ہوئے، مولانا مناظر احسن گیلانی کے جد امجد ہیں، متوسطات تک کی تعلیم حضرت مولانا نعمت اللہ نبی نگری سے مظفر پور میں حاصل کی، معقولات مفتی واجد علی ابراہیم بنارسی اور فقہ وحدیث مولانا اکبر علی رامپوری نیز مولانا عالم علی حسینی بگینوی سے پڑھیں، ۱۳۱۲ھ، ۱۸۹۴ء میں وفات پائی۔

''گیلانی'' ایک چھوٹا سے قصبہ ہے اس کا نام محی الدین پور گیلانی ہے چنانچہ قدیم سرکاری کاغذات میں یہی نام درج ہے، بعد میں محی الدین پور کو حذف کر دیا گیا، مولانا محمد احسن گیلانی اپنی ذات میں ایک مدرسہ تھے جہاں طلبہ دور ونزدیک سے کھنچے چلے آتے، حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی نے اس دارالعلوم کا حال لکھا ہے:

> ''حضرت مولانا محمد احسن گیلانی مرحوم نے اس گاؤں میں تقریباً تیس چالیس سال درس وتدریس کا بازار گرم رکھا، نہ صرف بہار بلکہ ہندوستان کے دوسرے علاقوں حتی کے سرحد کابل تک سے طلبہ کی ایک اچھی خاصی تعداد مولانا سے پڑھنے کے لئے آئی''
>
> (ہندوستان میں نظام تعلیم وتربیت: ۱/ ۴۲۶، حیات گیلانی ص ۳۰ تا ۳۶)

اسی مدرسہ کا فیض مولانا عبد اللہ پنجابی، مولانا رفیع الدین شکراواں، مولانا عبد الغفور رمضان پوری، مولانا حکیم عبد السلام بھاگلپوری، مولانا حکیم دائم علی ٹونکی وغیرہ بیسیوں مشاہیر کی شکل میں متشکل ہوا۔ مولانا عبد اللہ پنجابی جنہوں نے بعد میں گیلان کو اپنا وطن بنالیا تھا ان کے حالات میں لکھا ہے کہ بہار کے اضلاع: پٹنہ ومونگیر، خصوصاً ضلع مونگیر میں جو کام انجام دیا وہ یادگار رہے گا، خدا جانے کتنے مسلمانوں کے گھر سے بت نکلوائے اور شراب وتاڑی سے لوگوں کو تائب کیا، آخر میں آپ کے دست حق پرست پر ضلع مونگیر کے ایک راجہ آف مرچا جانے اسلام قبول کیا (ہندوستان میں نظام تعلیم وتربیت: ۱/ ۴۲۶)

خانقاہ رحمانی مونگیر کا بافیض داعی وصوفی، حضرت مولانا مونگیری

حضرت مولانا محمد علی مونگیری سے کون ناواقف ہوگا، آپ نے کارنہیں کارہائے نمایاں انجام دیئے، آپ شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے خانوادے کے چشم وچراغ ہیں، ۲۳ واسطوں سے آپ شیخ جیلانی سے جا

ملتے ہیں، آپ کے اجداد میں ایک شیخ طریقت ابوبکر چرم پوش ہیں، وہ ملتان سے ہندوستان کے ضلع مظفر نگر آئے، پھر بعد کے جد امجد کانپور منتقل ہوگئے، مولانا مونگیری اسی کانپور میں ۳شعبان ۱۲۶۲ھ، ۲۸ جولائی ۱۸۴۶ء کو پیدا ہوئے، والد سید عبدالعلی کا انتقال ۲ سال کی عمر میں ہوگیا، ۱۲۷۷ھ ۱۸۶۰ء میں مدرسہ فیض عام میں داخل کئے گئے، مفتی عنایت احمد سے ان کی اپنی کتاب ''علم الصیغہ'' پڑھی، علم حدیث وقت کے نامور محدث مولانا احمد علی سہارنپوری سے حاصل کیا، بیعت وارشاد کا تعلق حضرت فضل رحمان گنج مرادابادی سے رہا۔

حضرت مولانا محمد علی مونگیری نے جس ماحول میں آنکھ کھولی تھی کہ ہند پر برطانوی سامراجیت کا دبدبہ تھا، پورا عالم اسلام سیاسی زوال کا شکار ہو چکا تھا اور فکری اضمحلال کے منوں مٹی تلے دبا جارہا تھا، اسلامی تہذیب اور اسلامی علوم موت وزیست کی کش مکش میں تھے، نئے نئے فتنے اٹھ رہے تھے، نئی نئی تحریکیں جنم لے رہی تھیں، عیسائیت کی مشنریاں پورے ملک میں پھیلی ہوئی تھیں، اور جھوٹے مدعی نبوت کے کارندے ہر جگہ اپنا جال پھینک رہے تھے، بہار پر اس کی یورش کچھ زیادہ ہی شدید تھی، بھاگلپور و مونگیر اس کی لپیٹ میں پوری طرح آچکے تھے، لیکن حضرت مولانا محمد علی مونگیری کی کوششوں سے یہ فتنہ ان علاقوں سے ختم ہوا، اسی پس منظر میں آپ کو ۱۳۲۰ھ ۱۹۰۲ء میں کانپور کو چھوڑ کر ''مونگیر'' کو اپنا وطن بنانا پڑا، ندوۃ العلماء لکھنؤ جیسے باوقار تعلیمی ادارہ کی تاسیس کے بعد مونگیر میں ایک فعال خانقاہ کی بنیاد ڈالی، جو اپنے وقت تاسیس سے لیکر ہنوز رشد و ہدایت اور اصلاح وتبلیغ کا روشن چراغ فروزاں کیے ہوئی ہے۔ مولانا شاہ تجمل حسین بہاری ''کمالات رحمانی'' میں لکھتے ہیں:

> ''مولانا فضل رحمان قدس سرہ کی فقیری اور مولویت کو بجز مولوی محمد علی صاحب خلیفۂ اعظم کے کسی نے نہیں پھیلایا، چار لاکھ کے قریب مریدین آپ کے ہیں''
>
> (کمالات رحمانی، ص ۵۲ بحوالہ: مولانا محمد علی مونگیری، ص ۳۶۷)

۱۳۲۰ھ سے رجوم عام ایسا ہوا کہ گویا لوگ منتظر ہی بیٹھے تھے، آپ کا قدم مبارک جس بستی اور جس گاؤں میں پہونچا کایا پلٹ ہوگئی، فسق وفجور، بددینی ولادینی کی جگہ عبادت وریاضت، دعوت وتبلیغ کے سوتے بہنے لگے حضرت مولانا علی میاں ندویؒ لکھتے ہیں:

> ''جو لوگ نماز سے دور بھاگتے تھے اور شراب وغیرہ کے عادی تھے وہ نہ صرف خود نمازی ہوگئے بلکہ نماز کے داعی اور مبلغ بن گئے اور ان کو خدا سے ایسا تعلق اور رابطہ پیدا ہوگیا جو اتقیاء وصلحاء کے یہاں نظر آتا ہے۔ مرجھائی ہوئی کلیاں اور خشک پتے اگر موسم

بہار میں کسی وقت تر وتازہ اور شاداب ہو جائیں تو زیادہ تعجب نہ ہونا چاہئے لیکن ایمان اور ہدایت کی اس باد بہاری نے جس مرجھائے ہوئے دلوں بلکہ مردہ دلوں کو نئی زندگی بخشی وہ کم از کم ان اطراف کی تاریخ کا ایسا واقعہ ہے جس کو کوئی مورخ فراموش نہیں کر سکتا" (مولانا محمد علی مونگیری ۲۴۴-۲۴۵)

خلاصہ یہ ہے کہ:

''وہ ایک جلیل القدر عالم، ایک عظیم المرتبت مبلغ و مصلح بھی ہیں، عیسائیت وقادیانیت کے مقابلہ میں ان کا کارنامہ اجتہادی وتجدیدی شان رکھتا ہے، پھر اس کے سوا اور سب سے بڑھ کر وہ بلند پایہ شیخ طریقت اور عالی مقام عارف وسالک ہیں جن کے حالات وکیفیات اور مقامات و آثرات اولیائے متقدمین کے یاد تازہ کرتے ہیں اور جن سے ہزاروں بندگان خدا نے فائدہ اٹھایا اور فائز المرام ہوئے، غرض وہ ایسے گوناں گوں کمالات کے جامع ہیں کہ وہ ایک شخصیت نہیں بلکہ متعدد باکمال شخصیتوں کا مجموعہ نظر آتے ہیں، وہ اپنی ذات میں انجمن ہیں'' (مولانا محمد علی مونگیری: ۲۲)

آپ کے دنیا سے رحلت کرنے کے بعد سوتا بند نہیں ہوا، بلکہ پرکھوں سے ایک قدم آگے نکل کر، آپ کے سچے جانشیں بہار واڑیسہ وجھارکھنڈ کے امیر شریعت، مسلم پرسنل لاء بورڈ کے بانی ومؤسس حضرت مولانا منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ نے سلوک وطریقت اور اصلاح باطن وانابت الی اللہ کا بازار گرم رکھا، چپہ چپہ کا دورہ کر کے اللہ کی محبت اور شریعت وطریقت کی سچی الفت کا جوش ولولہ پیدا کیا کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ صوبہ بہار کے واحد پیر مغاں ہیں، آج تک ان کی لگائی چنگاری شعلہ زن ہے، وابستگان کا جمگھٹا ہے جو پروانہ وار آتش عشق الٰہی پر نثار ہو رہے ہیں، اس کیفیت وحالت کو بصارت وبصیرت سے دیکھا تو جا سکتا ہے الفاظ وبیان سے حقیقت کی صحیح عکاسی نہیں کی جا سکتی، اس کی قیادت وسیادت آج حضرت مونگیریؒ کے حفید رشید اور حضرت مولانا منت اللہ رحمانی کے باوقار فرزند نیز خانقاہ رحمانی کے سجادہ نشیں حضرت مولانا محمد ولی رحمانی دامت برکاتہم کے ہاتھ میں ہے۔

حضرت مولانا بشارت کریم گڑھولوی

غالباً اسی دور کی بات ہے کہ ایک طرف حضرت مونگیری کانپور سے ترکِ وطن کر کے مونگیر کو مسکن بنا رہے تھے تو دوسری طرف ایک اور عظیم شخصیت کانپور سے ہو فیض یاب ہو کر سیتامڑھی کے ''گڑھول،،

گاؤں میں عشق حقیقی کی دکان سجارہی تھی ،جس کو آج حضرت مولانا بشارت کریم گڑھولوی کے نام سے جانا جاتا ہے۔

آپ ۱۲۹۴ھ کو بازید پور گڑھول میں پیدا ہوئے ، چھ سال کی عمر میں والدہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا، دس سال کی عمر میں والد محترم جناب عبدالرحیم صاحب بھی اس دنیا سے رخصت ہو گئے ، بہنوئی نے تربیت کی ، اولا انگریزی شروع کی ،مگر طبیعت نے کچھ زیادہ گوارہ نہ کیا، چنانچہ عربی تعلیم کا آغاز اس طرح کیا کہ ابتدائی تعلیم دربھنگہ میں حکیم مولانا حسن چھپروی سے حاصل کی ، حفظ جامع العلوم مظفر پور میں مکمل کیا ، ساتھ میں شرح جامی بھی پڑھتے رہے ، اعلی تعلیم کے لیے کانپور تشریف لے گئے اور استاذ الاساتذہ حضرت مولانا احمد حسن کانپوری سے منقول ومعقول حاصل کیا۔

شروع سے ہی خدا طلبی کا جذبہ تھا، فراغت کے بعد ۲۶ سال کی عمر میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے ، اس سفر میں مولانا مونگیریؒ اور غلام حسین کانپوریؒ بھی ساتھ تھے ، وہاں دوسال تک قیام رہا ، ارادہ مستقل قیام کا تھا مگر مولانا محب الدین کے اصرار پر ہندوستان تشریف لائے ، وقت کے مشہور ترین شیوخ کے یہاں تشریف لے گئے مگر کہیں تشفی نہیں ہوئی ، چنانچہ آخر میں اپنے رفیق درس مولانا غلام حسین صاحب کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال دیا ، انہوں نے آپ کو درجۂ کمال تک پہنچایا ، آخر میں شیخ بھی ان کو ’’کبریت احمر‘‘ کہا کرتے تھے ، ۱۳۵۴ھ میں انتقال ہوا ، گڑھول میں مدفون ہیں۔

آپ کے فیض صحبت سے ہزاروں کی تعداد میں علماء وصلحاء سمیت انسانوں نے فائدہ اٹھایا ، آج یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اس گئے گزرے دور میں جو مختلف افراد کی طرف سے بہار میں رشد وہدایت اور تبلیغ دین اور اشاعتِ اسلام کے تئیں جدوجہد ہورہی ہے اس میں آپ سے بلاواسطہ نہ سہی ، بالواسطہ فیض یافتہ افراد کا وافر حصہ ہے۔

امارتِ شرعیہ کا اولین روحِ رواں حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ

آپ کی شخصیت سے علمی طبقہ کے ساتھ عوامی حلقہ بھی آشنا ہے ، آپ ۱۲۹۹ھ ۱۸۸۱ء میں پٹنہ کے قریب موضع ’مہنسہ‘ میں پیدا ہوئے ، اپنے ہی اطراف کے مولانا وحیدالحق استھانوی سے عربی پڑھی ، جب متوسطات کے قریب پہنچے تو مولانا محمد احسن کانپوری کے یہاں تشریف لے گئے ، مدرسہ سبحانیہ الہ آباد میں مولانا عبدالکافی صاحب سے سند فضیلت لی ، ۱۳۲۲ھ میں دستار بندی ہوئی ، ۱۷ شوال ۱۳۵۹ھ کی شام پونے پانچ بجے پھلواری شریف میں وفات پائی ، پھلواری کے قبرستان میں آسودۂ خواب ہیں۔

حضرت مولانا اس دور کے مرد مجاہد تھے ان کے عزم میں کبھی اضمحلال نہیں آیا، آپ کی پوری زندگی دل سوزی اور ہمدردی سے عبارت ہے، آپ کے عظیم ترین کارناموں میں تین اہم کارنامے بہت نمایاں ہیں۔

(۱) مدرسہ انوار العلوم گیا

جہاں جہالت پوری طرح چھائی ہوئی تھی، آپ نے ۱۳۲۹ھ میں انوار العلوم کا فیض جاری کیا، جس سے جہالت کی تاریکی کافور ہوئی اور بدعات کی ظلمت سے لوگوں کو نجات ملی، زکریا فاطمی مدیر الہلال اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

> ''اس مدرسہ کا فیض دور دور تک پہنچا اور نہ صرف اس صوبے میں بلکہ دوسرے صوبے کے تشنہ گانِ علوم بھی اس کے چشمۂ فیضان سے سیراب ہوتے رہے'' (محاسن سجاد: ۱۳)

(۲) جمعیت علمائے بہار

مسلمانوں کی زبوں حالی، علماء کا آپسی نفاق اور تفریق وانتشار مولانا کو ہر دم بے چین کیے رہتا، چنانچہ عوام وعلماء کے مابین رابطہ استوار ہو اس کے لیے انہوں ۱۳۳۵ھ میں ''جمعیت علمائے بہار'' قائم کیا، جس نے تھوڑے ہی دنوں میں مقصد کو کامیاب بنا دیا۔

(۳) امارت شرعیہ کا قیام

لیکن سب سے زیادہ جو چیز آپ کی روح کو تڑپا رہی تھی وہ علماء کی سیاست سے دوری تھی، مولانا کو ہر دم یہ فکر رہتی کہ علماء جس طرح ان کے دینی پیشوا ہیں، سیاسیات میں بھی قوم کی رہبری کریں، مسلمانوں میں دینی تنظیم قائم ہو، جس کے تحت تمام تبلیغی، مذہبی وتعلیمی وتمدنی کام انجام پائیں، دار القضاء کا نظام ہو جو مسلمانوں کے مقدمات کا تصفیہ کرنے کے لیے کافی ہو اس مقصد کے لیے انہوں نے امارت شرعیہ قائم کیا، جس کا اجمالی خاکہ یہ ہے:

> ''پورے صوبے کو درجہ وار علاقوں میں تقسیم کیا گیا اور تبلیغ واشاعت اسلام کے لیے ہر جگہ مبلغین اور نقباء کا سلسلہ قائم کیا گیا، فتاوی اور باہمی جھگڑوں کے فیصلے کے لیے قاضیوں کا تقرر عمل میں لایا گیا اور اس تمام مشنری کو بروئے کار لانے کے لیے زکاۃ، صدقات اور عشر وغیرہ کی تحصیل کے لیے محصلین اور عمال جا بجا مقرر کیے گئے، علاوہ ازیں مذبذب اور متزلزل ایمان رکھنے والی جماعتوں میں عقائد اسلامیہ کے استحکام اور پابندی احکام کی تبلیغ کی گئی، مرتدین اور برگشتہ

ایمان لوگوں کو دائرۂ اسلام میں واپس لانے کی جدوجہد ہوئی اور غیر مسلمین میں اسلام کو کما حقہ روشناس کیا گیا اور اس طرح کثیر تعداد مخلوقِ خدا آپ کی فیض رسانیوں سے مستفید ہوئی'' (محاسن سجاد: ۱۴، مضمون: زکریا فاطمی) اور بقول علامہ سید سلیمان ندویؒ: ''حضرت مولانا بہار کی تنہا دولت تھے جو لٹ گئی'' (محاسن سجاد: ۴۰، مضمون: سید سلیمان ندوی)

بہار کی موجودہ صورت حال

ہر چند کہ بہار کی موجودہ صورتِ حال میں وہ چہل پہل باقی نہیں رہی، خانقاہیں اجڑ گئیں، مدارس ویران ہوگئے، تعلیمی اداروں اور مذہبی مراکز کی وہ پہلی سی بات نہ رہی، مگر پھر بھی احیاء اسلام کی کوشش، اصلاح حال کی جدوجہد انفرادی اور اجتماعی ہر انداز سے ہو رہی ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ روح بلالی پھر تڑپ اٹھی ہے اور مختلف گوشوں سے حیی علی الفلاح حیی علی الفلاح کی صدائے دل نواز سے فضا میں گونج پیدا ہو رہی ہے، بعض ایسے سوتے اب بھی جاری ہیں جن سے فیضان نکل رہا ہے، اور ہزاروں کی تعداد میں مستفیدین اب بھی راہ سلوک کو طے کر کے خدا کے نزدیک سرخرو ہو رہے ہیں نیز اس کے ساتھ ساتھ تبلیغی جماعت کے بھی مختلف مراکز قائم کر کے اور مختلف اجتماعات کروا کے کم از کم ناخواندہ عوام کو مسجد کی راہ دکھانے اور خدا کے حضور سربسجود کرنے میں اہم کردار رہا ہے، دوسری طرف اسلامی تنظیمیں ماحول بنانے میں امارت شریعہ اپنا کام پوری جانفشانی سے انجام دے رہی ہے، گویا کہ جس داستان کا آغاز چھٹی صدی ہجرہ سے ہوا تھا، وہ ہنوز جاری وساری ہے۔

ورق تمام ہوا اور روح باقی ہے
سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لئے

☆ ☆ ☆

مولوی محمد طلحہ ندوی

آہ...! رشد وہدایت کا ایک چراغ اور بجھ گیا

(ولی وقت حضرت مولانا ذوالفقار صاحب رشیدیؒ کے وصال پر)

ہندوستان کے نقشے پر ایک نوزائدہ صوبہ جھارکھنڈ ہے۔ یہ صوبہ محل وقوع کے اعتبار سے معدنیات اور قدرتی وسائل کے ساتھ ساتھ قدرتی حسن سے مالا مال خطوں سے بھرا ہوا ہے۔ یہاں جا بجا فلک بوس پہاڑ ،خوبصورت جنگل ،دلکش گھاٹیاں ، پرکشش آبشاریں ،بل کھاتی ہوئی ندیاں ،حسین مناظر ، پرفریب سبز نظارے اور کچھ خطوں کے پرلطف موسم الغرض اللہ نے اس صوبہ کو اکثر قدرتی وسائل ومحاسن سے آراستہ کیا ہے۔خصوصاً ہمارا شہر تو حسین مناظر اور خوبصورت خطوں سے کچھ زیادہ ہی گھرا ہوا ہے لیکن ان قدرتی خوبیوں کے ساتھ ناگفتہ بہ بدنصیبیاں بھی وابستہ ہیں۔ وہ بدنصیبی کچھ اور نہیں اللہ کے ولیوں کی کمی ہے بلکہ یوں کہا جائے کہ کمی ہی نہیں بلکہ ناپیدگی ہے۔ان خطوں میں ایسی خانقاہیں نہیں جہاں جا کر مادہ پرستی کے صحراؤں میں بھٹکنے والے اپنی آبلہ پائی کا علاج کرا سکیں اور روحانی پیاس کو سرچشمۂ ولایت اور اتباع سنت سے سیراب کر سکیں۔ ہمارا شہر رانچی تو اس معاملے میں یتیم اور بانجھ ہے۔لیکن پانچ چھ سو کیلومیٹر کے دائرہ میں ایک خانقاہ ہے جو خانقاہ رشیدیہ سے مشہور ہے اور شہر چترا میں واقع ہے۔جس کے سجادہ نشیں حضرت مولانا ذوالفقار صاحب رشیدیؒ خلیفہ حضرت مولانا عبدالرشید رانی ساگریؒ تھے جنہیں مرحوم لکھتے ہوئے کلیجہ پھٹتا ہے۔کلیجہ کیوں نہ پھٹے؟ آنسو کیوں نہ بہے؟ ہاتھ کیوں نہ کانپے؟ یہ رجال اللہ اور اہل اللہ ہم سے رخصت ہوتے جارہے ہیں جن کے وجود مسعود سے یہ دنیا آج بھی چمن زار اور یہ زمیں گلزار ہے۔لیکن ہائے اسے کیا کہیے؟ مگر کہنا ہی پڑتا ہے کہ ہم ہند کے مسلمان ہی نہیں پورا عالم اسلام قحط الرجال کے دور سے گزر رہا ہے۔جستہ جستہ اسلاف کی یادگاریں ہم سے روٹھ کر اپنے مالک حقیقی سے ملاقات کے لئے رخصت ہو رہی ہیں۔ان بزرگوں کے گزر جانے کے بعد ہم میں سے اکثر لوگ کف افسوس ملتے ہیں۔ان حضرات کی موجودگی میں خاطر خواہ روحانی فائدہ نہ اٹھانے کا ملال سانپ بن کر ڈستا رہتا ہے۔ یہ کیفیت تو ان چند

طالبان سلوک واحسان کی ہے جو حق جوئی اور حب نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرشاری کے جذبہ سے کسی حد تک معمور ہوتے ہیں۔ اکثریت کا حال تو یہ ہے کہ ان اہل اللہ اور بزرگوں کو پانی پھونکنے اور تعویزوں وگنڈوں کی فیکٹری سمجھتے ہیں ان کے نزدیک معراج بزرگی یہی ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

حضرت مولانا ذوالفقار صاحب رشیدیؒ باضابطہ کسی مدرسہ سے فارغ التحصیل عالم دین نہیں تھے لیکن وقت کے بہت بڑے عالم دین اور صاحب نظر بزرگ حضرت مولانا عبدالرشید رانی ساگریؒ کے صحبت وتربیت یافتہ تھے اور حضرت مولانا عبدالرشید رانی ساگریؒ بانئ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور مصلح زمانہ حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کے اجل خلفاء میں تھے۔ حضرت جیؒ کا تعلق بھاگلپور کے ایک جدید تعلیم یافتہ اور زمیندار گھرانہ سے تھا۔ ان کے والد صاحب شہر گھاٹی میں رجسٹرار تھے۔ ان کی تین بہنیں اور یہ تین بھائی تھے۔ بڑے بھائی اریگشن ڈپارٹمنٹ میں افسر اور منجھلے بھائی وکیل تھے۔ حضرت جیؒ بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ ان کی پیدائش ۲۰ جنوری ۱۹۳۹ء بھاگلپور میں ہوئی اور اپنی تعلیم وہیں مکمل کی۔ حضرت جیؒ گریجویٹ تھے لیکن جوانی کی دہلیز پر قدم ہی رکھا تھا کہ دنیا کی بے ثباتی ان پر عیاں ہوگئی۔ خاندانی روش سے الگ ہٹ کر دین کی طرف راغب ہوگئے صوم وصلوۃ کے ساتھ تبلیغی جماعت سے وابستگی ہوگئی۔ جماعت میں کچھ وقت بھی لگایا اور اس درمیان وقت کے ولی کامل رانی ساگریؒ سے کچھ ملاقاتیں ہوئیں۔ حضرت مولانا کی نگاہ مردم شناس اور مردم ساز نے پہچان لیا کہ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ خاموشی سے حضرت والا کی توجہ خاص دل زار میں ایک آگ سی لگا گئی اور اس کے بعد دنیا اپنی رعنائیوں اور دلکشی کے باوجود پھیکی معلوم ہونے لگی۔ عبادت وریاضت کی طرف مزید راغب ہوگئے۔ ان کا دینی حلیہ اور دینداری گھر والوں کو بے چین کرنے لگی اور اکثر اہل خانہ کہنے لگے کہ ذوالفقار کو ہوا کیا ہے؟ اس نے اپنی حالت ایسی کیوں بنا رکھی ہے؟ کچھ لوگ سمجھانے لگے کہ تم نے بوڑھوں کی شکل بنا رکھی ہے اور جوانی میں اتنی دینداری اچھی نہیں وغیرہ وغیرہ۔ ان کو ان کی باتوں سے وحشت ہوتی تھی اور خود کو اپنے خاندان میں اجنبی محسوس کرنے لگے۔ بچپن سے ہی کم سخن تھے۔ خاموشی سے اپنے گھر کو الوداع کہہ کر کسی کو بتائے بغیر ۱۹۶۶ء میں بھاگلپور سے چترا آگئے اور خود کو رانی ساگریؒ کے حوالے کر دیا اور خانقاہ رشیدیہ میں رہنے لگے اور حضرت کی خدمت سے دلِ بے قرار کو قرار ملتا تھا۔ اکثر حضرت کے پاس ہی رہتے اور آرام کے وقت ہاتھ پیر دباتے۔ بڑے حضرتؒ بھی ان کی صالحیت وکم گوئی سے بہت خوش رہتے اور یہ خدمت کے ذریعہ دعائیں بٹورتے رہتے۔ انہوں نے غالباً کہہ دیا تھا کہ اب

خانقاہ میں ہی رہوں گا۔ گھر والوں کو پتا چلا کہ چترا میں ہیں تو شاید کچھ لوگ لینے کے لئے آئے تو جانے سے منع کر دیا اور وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ کچھ مہینے گزر جانے کے بعد ایک دن بڑے حضرتؒ کی خدمت کر رہے تھے کہ حضرت نے دریافت کیا کہ ذوالفقار تم نے شادی کی ہے یا نہیں؟ جواب نفی میں دیا تو حضرت نے فرمایا کہ شادی کرو گے؟ جواب دیا جیسا حکم فرمائیں۔ حضرت رانی ساگریؒ نے اپنی نواسی سے ان کا عقد کر دیا۔

۱۹۶۷ء میں حضرت رانی ساگریؒ کو فالج کا زبردست اثر ہوا اور بالکل معذور ہو گئے۔ قضائے حاجت سے لیکر تمام تر خدمات حضرت ہی کرتے رہے۔ کچھ افاقہ ہوا تو اشاروں سے کچھ فرمایا کرتے تھے جسے صرف حضرت اور بڑے حضرتؒ کی بیٹی یعنی حضرت کی خوش دامن ہی سمجھا کرتی تھیں۔ بیعت کے لئے لوگ آتے تو بڑے حضرت مولانا کے ہاتھ پر بیعت لیا کرتے تھے۔ اس طرح زندگی میں ہی حضرت کو اپنا جاں نشیں بنا دیا تھا۔ جون ۱۹۶۹ء کو حضرت رانی ساگریؒ اپنے مالک حقیقی سے ملاقات کے لئے اس دار فانی سے دار بقا کی جانب رخصت ہو گئے۔ لوگ بتاتے ہیں کہ حضرت رانی ساگریؒ اپنے وقت کے قطب زمانہ تھے واللہ اعلم بالصواب۔ بڑے حضرتؒ کے بعد حضرت کی گدی نشینی بہتوں کو ہضم نہ ہوتی تھی۔ ان کی جواں سالی اور راہ تصوف میں کم مدتی اور کچھ پرانے لوگوں کے لئے آزمائش کی زنجیر ثابت ہوئے۔ لیکن جادو وہ ہے جو سر چڑھ کر بولے۔ فاقہ کشی اور جفاکشی کے ساتھ اتباع سنت، دعوت وعزیمت اور بے نفسی و بے نیازی کی راہوں پر استقامت نے بہت جلد ہی لوگوں کے دلوں کو جیت لیا۔ سات آٹھ سال کے اندر ہی چترا والے حضرت کے نام سے مشہور ہو گئے۔ خود کو خانقاہ کے حصار میں مقید رکھ کر لوگوں کی اصلاح وتربیت کے بجائے راہ حق میں آبلہ پائی اور گردخواہی کو ترجیح دی، بے طلبوں تک دین وسنت پہنچانے کا اپنا شیوہ بنایا اور چلتی پھرتی خانقاہ بن گئے۔

میرے والد محترم جناب ماسٹر محمد یوسف صاحب حفظہ اللہ تعالی کو اللہ والوں سے کافی تعلق رہا ہے۔ یہ پہلے مرشد زمانہ حضرت علامہ شیخ الحدیث محمد زکریاؒ کے مرید تھے ان کے یہاں تین اعتکاف کر چکے تھے ایک دس دنوں، دوسرا بیس دنوں کا اور تیسرا تیس دنوں کا اعتکاف کیا تھا۔ حضرت شیخؒ کے وصال کے بعد والد صاحب بے چین رہنے لگے کہ اب کس سے روحانی تعلق استوار کیا جائے تو کچھ مدت اسی پس وپیش میں گزری تو ایک دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی تو انہوں نے خواب ہی میں ایک شخص کی طرف اشارہ کیا، جا کر دیکھتے ہیں تو وہ شخص کوئی اور نہیں حضرت مولانا ذوالفقار صاحبؒ ہیں اس کے بعد نیند کھل گئی۔ ملاقات کے بعد والد صاحب نے حضرت سے اپنے خواب کا تذکرہ کیا اور بیعت ہو گئے اور حضرت کا بھی والد صاحب سے بہت والہانہ تعلق تھا۔ دو تین بار حضرت کا میرے گھر پر قیام بھی ہوا

میرے خاندان کے اکثر لوگ انہیں کے مرید ہیں۔ میری والدہ محترمہ اکثر بیمار رہتی تھیں اس کے باوجود حضرت کا پرہیزی کھانا بنا کر حضرت کے لئے رانچی کے مرکز میں بھیجا کرتی تھیں۔ احسان مندی کے جذبے کا یہ عالم تھا کہ حضرت سے جب بھی میری ملاقات ہوتی والدہ کی خیریت ضرور پوچھتے اور ان کے لئے دعائیں کرتے۔

میں بہت چھوٹا تھا تو والد صاحب نے کہا چلو حضرت سے ملواتے ہیں میں حضرت کے پاس گیا سلام کیا پاس میں بیٹھایا۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ پہلی بار میرے بچپن کی نگاہوں نے اتنی خوبصورت شکل وصورت دیکھی تھی۔ میانہ قد، پرگوشت بدن، رنگ گورا اور نہایت پرکشش، گھنی اور بالکل سیاہ اور لمبی داڑھی اور نقل وحرکت سے سنتوں کا جمال جھڑتا ہوا اور متانت ووقار کا جلال ٹپکتا ہو۔ بس دل میں بیٹھ گیا کہ اللہ والے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ میں بھی بچپن سے ہی حضرت سے پیار کرنے لگا اور حضرت بھی مجھے لاڈ سے رکھتے تھے۔ اُنیس بیس سال کی عمر ہوئی تو والد صاحب کا حکم ہوا چترا جاؤ اور حضرت کے ساتھ کچھ دن رہو اور بیعت بھی ہوجانا۔ میں حکم کی تعمیل کرتے ہوئے چترا چلا گیا اور والد کی وصیت حضرت کے سامنے رکھ دی حضرت نے خوشی سے اپنے ساتھ سفر میں رہنے کی اجازت دے دی اور پندرہ بیس دنوں تک ساتھ رہا۔ تبلیغی بزرگ میاں جی محرابؒ کا بہار کا دورہ تھا دس دن حضرت کی معیت میں ان کے ساتھ رہنے کا موقع ملا۔ میاں جی اصول بیان کرتے اور سبھی ساتھی ان کی باتوں کو لکھتے تھے اور میں ان کی بیان کردہ باتوں اور اصولوں کو حفظ یاد کرلیا کرتا۔ حضرت مجھ سے پوچھتے اس کے بعد کیا بتایا تھا میں طوطے کی طرح سبق سنا دیتا۔ خاص بات یہ تھی کہ حضرت سے بڑا مخلص طالبِ دین میں نے نہیں دیکھا اور بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ دینی مسائل کو اپنے چھوٹوں سے پوچھنے میں کبھی خفت محسوس نہیں کی، ان کی زندگی سیرۃ النبی ﷺ کی جیتی جاگتی مثال تھی۔ چھوٹی بڑی تمام متروک سنتوں کا زندہ کرنا ان کا شیوہ تھا اور کپڑا پاک کرنے اور دیگر پاکی کے مسائل ان سے بہتر عملی طور بتاتے ہوئے کسی کو نہیں پایا۔ سنا اور پڑھا تھا کہ کمال بزرگی رسول اللہ ﷺ کی مکمل اتباع ہے۔ اس جملہ کے عملی نمونہ تھے حضرت جیؒ۔ امت کے غم میں رونا اور تڑپنا دربار نبوی ﷺ سے ملا تھا۔ ان کو دیکھ کر اللہ یاد آتا تھا، ان کی باتوں اور صحبت سے ہزاروں کی زندگی بدلتی تھی۔

۱۹۸۵ء کی بات ہے لسان التبلیغ حضرت مولانا عمر صاحب پالنپوریؒ نے ایک سال کی جماعت کی پہلی بار تشکیل کی، اس تشکیل سے پورے مرکز میں سناٹا چھا گیا اور کافی دیر تک Pin drop silense بنا رہا حضرت تشکیل کرتے رہے کسی نے نام نہیں دیا، حضرت پالنپوریؒ نے بھی عزم کرہی لیا تھا کہ اسی مجلس میں سال کی ایک جماعت بنانی ہے۔ کچھ دیر کے بعد ایک اللہ والے کھڑے ہوئے اور کہا کہ ذوالفقار تیار ہے۔ کچھ دیر کے بعد ہمارے علاقے کے ایک بزرگ حاجی حنیف صاحب کھڑے ہوئے اسی طرح پوری

جماعت تیار ہوگئی ۔ اس جماعت نے کافی کام کیا اور اس جماعت کی عجیب وغریب کارگزاریاں بھی ہیں۔سال لگانے کے بعد اپنی قربانیوں کا معیار بڑھاتے رہے بعد میں دوماہ دہلی مرکز کے مشورے سے دوماہ بہار کے مشورے سے اللہ کے راستے میں رہتے اوراسی درمیان کچھ دن چتراخانقاہ میں گزارتے۔

الغرض پوری زندگی نقل وحرکت سے عبارت تھی اکثراوقات اللہ کے راستے میں رہتے۔حضرت جی جہاں جاتے اصلاح نفس کے طالبین ان سے بیعت واصلاح کی گزارش کرتے حضرت بیعت فرما کر وظائف اور جماعت میں لگنے کی تلقین فرماتے۔اسی طرح رانچی میں بھی ان کے چاہنے والوں کی تعداد بڑھتی ہی رہی ۔حضرت کی اس مقبولیت سے رانچی کے چندسرکردہ لوگوں میں بے چینی پیداہوئی توحضرت کے خلاف دہلی مرکزحضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ کوشکایتوں سے بھراخط لکھا گیا کہ مولانا بیعت کرتے ہیں اور ہدیہ وغیرہ لینے کے ناروالزام لگائے گئے جواکثر اللہ والوں پر لگائے جاتے ہیں،لیکن حضرت اپنے وطیرہ پر قائم رہے یعنی دشمن کوبھی دوست سمجھنا،احتراز کے بجائے احترام کرنااور درگزر کرتے ہوئے سبھوں کو گلے لگانا حضرت کا خاص وصف تھا۔شکایت کرنے والوں کا احترام آخری عمرتک کرتے رہے رانچی میں کوئی بیعت ہونا چاہتا تواسے کہتے چترا آئیں وہیں بیعت کروں گا یعنی ان کا طریقہ یہ تھا کہ ان کے کسی عمل سے کسی کوتکلیف نہ پہنچے۔ان تمام خوبیوں کودیکھتے ہوئے حضرت جی انعام الحسن صاحبؒ کے نزدیک حضرت کا مقام واحترام اور بڑھ گیا تھا۔حضرت نے جھارکھنڈ، بہار، اڑیسہ اور چھتیس گڑھ کے بنجرعلاقوں میں بہت ہی محنت کی ہے۔بیماریوں کے باوجود ہمیشہ سفر کرتے رہے اور جماعتی تقاضوں کو پورا کرتے رہے۔اللہ تعالی نے حضرت کومقبولیت کی دولت سے نوازا تھا۔جہاں جاتے عوام الناس جمع ہوجاتی اور بیان وگفتگو اللہ اوراس کے رسول ﷺ کی محبت وعشق میں ڈوب کروجد میں کیا کرتے تھے۔اللہ کے نام سے لطف اندوزی قابل دیدہوا کرتی تھی ایسامحسوس ہوتا تھا کہ ایسے لوگوں کے لئے ہی فنافی اللہ کالفظ استعمال کیا گیا ہے۔

ان کی بہت سی مجلسوں میں شریک ہونے کا اس ناچیز کوموقع ملا ہے۔۲۰۱۴ء کی بات ہے میں حج میں تھا،ایک دن کا واقعہ ہے کہ ظہریا عصر کی نماز کے لئے باب فہد سے خانہ کعبہ میں بہت تیزی سے داخل ہورہا تھا کہ پیچھے سے کسی نے اپنے رومال کے ذریعہ مجھے متوجہ کیالیکن میں آگے بڑھتا ہی رہا پھر رومال میرے کاندھے پرآ لگا لیکن میں لاپرواہی سے آگے ہی بڑھتا رہا پھر رومال کا کچھ زیادہ حصہ میرے اوپر ڈالا گیا تو میں نے مڑکر دیکھا تو حضرت میرا پیچھا کررہے ہیں۔مسکراتے ہوئے سلام کرکے گلے لگایا پھر کیا تھا اس ناچیز کودربارالٰہی میں اس کا عاشق زارمل گیا لہٰذا میں خوشی سے جھوم گیا۔حضرت کے بغل میں نماز پڑھی اس کے بعد اپنے قیام گاہ پرلے گئے جودارتوحید کے پیچھے ایک چھوٹی سی عمارت میں تھا۔میں روزانہ کئی بار جاتا اور

حضرت محبت سے پاس بیٹھاتے ،اسی عمارت میں ایک اور ولی حضرت مولانا عبدالرحمن کٹکیؒ ٹھہرے ہوئے تھے انکی خدمت اور حصول دعا کا موقع ملا۔ مدینہ پہنچا تو ایک دن خیال آیا کہ حضرت جی بھی یہاں ہونگے بہت مشکل سے حضرت کا پتہ ملا اسی دن میری واپسی تھی میں ان سے ملاقات کے لئے پہنچ گیا۔ دیکھ کر خوشی سے کھل گئے پھر پاس میں بیٹھا کر نبوی محبت میں ڈوبے ہوئے اپنے اشعار سنانے لگے۔ طلحہ یہ سنو، یہ بھی سنو میں بھی مختصر ہی لمحہ کے لئے ایک سچا عاشق نبی ﷺ کی محفل میں خود کو سرمستی کے عالم میں پایا۔ میں نے مدینہ پاک میں اس مستی وسرور کے عالم میں اس وقت تک کسی کو نہیں دیکھا تھا۔ اس پاک طینت ستودہ صفات شخص کو یہ الفت نبوی حاصل تھی۔ اس واقعہ کو کئی صفحوں میں لکھا جاسکتا ہے لیکن یہاں موقع نہیں۔

حضرت والا اپنی آخری عمر میں بیماریوں کی وجہ سے کافی کمزور ہوگئے تھے پھر بھی دینی سفر کرتے رہے آخری ایام میں رانچی میں زیر علاج تھے اور یہاں سے ٹاٹا چلے گئے۔ چائے باسہ میں ٹاٹا حلقہ کا جوڑ تھا دو مارچ کو وہاں آخری بیان کیا اور دعا بھی کرائی اس کے بعد ٹاٹا آگئے۔ ۳/ مارچ کو شراق و چاشت کے بعد آرام کے لئے لیٹ گئے۔ دعاء واَوراد میں مشغولی کے عالم میں اس دار فانی سے دار جاودانی کی طرف کوچ کر گئے۔ لوگوں نے سوچا حضرت آرام کر رہے ہیں۔ اُدھر حضرت لقاء الٰہی سے سرفراز ہو رہے ہیں۔ ٹاٹا میں ہی تجہیز وتکفین کے بعد نماز جنازہ ہوئی جس میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ شریک ہوئے پھر رانچی کی وسیع عید گاہ میں مغرب وعشاء کے درمیان نماز جنازہ ہوئی جس میں لاتعداد لوگ شریک ہوئے ،ان کے عاشق ومعتمد انجینیر شمیم سوانی صاحب نے نماز پڑھائی۔ راستے میں دو جگہ مزید اور نماز جنازہ ہوئی۔ ۴/ مارچ کو بعد نماز ظہر چترا میں نماز جنازہ ہوئی اخبار کے مطابق تین لاکھ سے زیادہ اور محتاط اندازے کے مطابق دو لاکھ سے زائد لوگ شریکِ جنازہ تھے ایسی تعداد بہار وجھارکھنڈ میں نہیں دیکھی گئی تھی پورا شہر بند ہوگیا تھا۔ مسلمانوں کا کیا کہنا تمام ہندو غموں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ہر گھر کی چھت مسجد بن گئی تھی اور تمام گھر فیاضی کا نمونہ بن گئے تھے۔ اہل چترا نے پہلے ہی طے کر لیا تھا کہ مہمان پہلے مٹی دینگے اور کوئی مہمان بھوکا جانے نہ پائے اور ایسا ہی ہوا، اسی غرض سے ہر گھر میں وسعت سے بڑھ کر کھانا بنا کر پیکٹ کے ذریعہ لاکھوں لوگوں کو کھانا کھلایا گیا۔ چند لوگوں نے کئی ٹن کھانا تیار کروایا تھا شاید بہت کم ہی لوگ ہونگے جو کھائے بغیر آئے ہوں۔ گویا اہل چترا زبان عمل سے یہ کہہ رہے تھے کہ حضرت جی کے حیات میں ان کے دربار سے کوئی مہمان بھوکا نہیں گیا تو آج ان کے مہمان بھوکے ہوں ہمیں گوارا نہیں۔ نماز کے وقت اکثر آنکھیں اشکبار تھیں لوگوں کے غم میں آسمان بھی شریک ہوا اس نے بھی آنسو بہائے لیکن احتیاط سے اس نے اتنے آنسو ٹپکائے کہ میدان کی گرد وغبار زمین کے سینے سے چپک جائے تاکہ زمین کے رنج والم کی شوریدگی مہمانوں کے لئے

تکلیف دہ نہ ہو، اور سوگوار ماحول یہ خاموش اعلان کر رہا تھا کہ:

اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

حضرت جیؒ کی بہت سی باتیں ان کے خادم خاص جناب عبدالرشید صاحب چترا سے معلوم ہوئیں انہوں نے بھی حضرت کے ساتھ اپنی زندگی اللہ کے حوالے کر دی تھی ۱۹۷۳ء سے مستقل حضرت کے ساتھ رہے اور حضرت کی خدمت کرتے رہے اللہ انہیں بہترین جزائے خیر عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے (آمین) تمام قارئین سے میری ایک گزارش ہے کہ یہ دعاء کریں کہ اللہ رب العزت اپنے خاص خزانۂ غیب سے اہل جھارکھنڈ کو حضرت کا نعم البدل دے ورنہ یہ علاقہ اپنی سرسبز و شادابی اور معدنیات کی دولت کے باوجود یتیم رہے گا۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں ڈوبی ہوئی اور امت کے غم میں بادیہ پیمائی کرنے اور تڑپنے والی اس ذات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت مولانا عمر صاحب پالنپوریؒ نے دعاء کی درخواست کرنے والوں کو کہا تھا دعاء کروانا ہے تو ان (حضرت جی) سے کرواؤ۔ حضرت کے جنازے میں لاکھوں لوگ اشکباری کے ساتھ خاموشی کی زبان سے گویا کہہ رہے ہوں کہ اس مادی دور میں ایسا کہاں سے لائیں تجھ سا کہیں جسے؟ اور یہ بھی بول رہے تھے ایسا کون ملے گا جسے دیکھ کر اللہ یاد آئے؟ اور ایسا کون ملے گا جو اللہ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام لیتے ہی وجد میں آجائے؟ اور اسے دیکھ کر ہم بھی وجد و سرور کی کیفیت سے آشنا ہوں۔ دلوں پر حکومت کرنے والا آہ...! رشد و ہدایت کا ایک چراغ تھا سو وہ بھی بجھ گیا۔ حضرت کی زندگی بس اس شعر کے مطابق تھی کہ:

کسی کی شب ہجر روتے کٹے ہے کسی کی شب ہجر سوتے کٹے ہے
میری شب ہجر کیسی ہے یارب نہ روتے کٹے ہے نہ سوتے کٹے ہے

☆☆☆

مفتی امانت علی قاسمی ☆

مولانا محب الحق
اوران کی تصنیفی خدمات پر ایک نظر.....

[حضرت مولانا نسیم احمد فریدیؒ خانوادۂ الفرقان کے رکنِ رکین تھے،ان کی زیادہ تر علمی کاوشیں الفرقان ہی کے ذریعہ منظرِ عام پر آتی تھیں،اور مولانا محب الحق ان کے خصوصی شاگرد،معاون اور رفیق تھے،اس رشتے سے ان کے تذکرے پر مشتمل پیشِ نظر مضمون فاضل مضمون نگار کے شکریہ کے ساتھ نظرِ ناظرین کیا جارہا ہے —— مدیر]

آج کا دور میڈیائی دور ہے،جس میں لوگ کام کم کرتے ہیں اور شہرت زیادہ حاصل کرنا چاہتے ہیں؛ اس لیے لوگ اپنے ناقص اور ادھورے کاموں کو بھی ترتیب دے کر یا اخبارات میں شائع کرا کر مصنف اور قلم کار کی فہرست میں جگہ بنانا چاہتے ہیں؛لیکن نام ونمود اور اس تشہیری دور میں بھی کچھ خاصان خدا اور اللہ کے نیک بندے ایسے ہیں،جو گم نامی کی زندگی گزارتے ہیں اور اپنی علمی اور تحقیقی خدمات پر صلہ اور داد کی طلب کے بغیر اپنے فکر وفن کو عام کرتے رہتے ہیں،ہمارے علم وگمان کے مطابق انہیں نیک اور اللہ کے باتوفیق بندوں میں مولانا محب الحق صاحبؒ بھی تھے۔

مولانا مرحوم جس خاموشی اور گوشۂ تنہائی میں علم وتحقیق کی شمع روشن کیے ہوئے تھے،شاید احقر ان سے واقف بھی نہ ہوسکتا؛لیکن مشیت ایزدی نے احقر کے لیے ان کی فکر ونظر سے استفادہ مقدر کر رکھا تھا، جس کی سبیل یہ ہوئی کہ مولانا مرحوم کے علمی جانشین،فکرِ ارجمند کے حامل،آپ کے فرزند نیک بخت جناب مفتی امداد الحق بختیار صاحب،جو دارالعلوم حیدرآباد میں کئی سال سے تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں، وقتاً فوقتاً اپنے والد صاحب کی تازہ تصنیف لاکر ازراہ محبت دے دیا کرتے تھے،انہیں تصنیفات کے واسطے سے مولانا مرحوم کی زندگی تک رسائی ہوئی اور یہی ان سطور کے لکھنے کی تحریک بنیں۔

احقر کو نہ مولانا مرحوم کی صحبت میں رہنے کا شرف حاصل رہا ہے اور نہ ہی کبھی ان کی زیارت سے بہرہ ور ہوا ہے؛ اس لیے ان کی زندگی اور ان کے اخلاق واوصاف پر خامہ فرسائی کرنا ''ہوا میں وار'' کرنے کے مترادف ہے؛ البتہ ان کی تصانیف پر حضراتِ علماء کی تقاریظ وتبصرے اور ان کی وفات کے بعد ان کی حیات وخدمات پر شائع ہونے والے مضامین سے احقر نے چند باتیں اخذ کی ہیں، وہ قارئین کی نظر کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) اکثر حضرات نے مولانا مرحوم کی سادگی، تصنع سے عاری ان کی زندگی پر روشنی ڈالی ہے، مولانا مرحوم کے ایک شاگرد اور عینی مشاہد جناب مولانا اسلم امروہی صاحب لکھتے ہیں:

> ''موصوف فطرۃً بڑے نیک، متواضع، منکسر المزاج اور بہت کم گو تھے، کوئی بات معلوم کی جاتی تو بتادیتے ورنہ خاموش رہتے۔ یہ چیز بھی آپ کو اپنے شیخ ومرشد، محسن ومربی حضرت فریدیؒ سے ورثے میں ملی تھی۔ بہت سادہ لباس زیب تن فرمایا کرتے تھے، مدرسہ کے اوقات کے علاوہ اکثر کرتے وتہبند میں ہی نظر آتے۔''

(۲) مولانا کی زندگی سے جو اہم بات ہمیں ملتی ہے، وہ استاذ وشاگرد کا اٹوٹ رشتہ ہے، یہ چیزیں اب عنقاء ہوچکی ہیں، شاگرد اپنے استاذ کے کہنے پر اپنی پوری زندگی قربان کردے اور اپنے وطن کے بجائے استاذ کے وطن کو ہی اپنا وطن بنالے، وہ بھی کسی مادی فائدے اور ذریعۂ معاش کی امید کے بغیر، اس کی مثال اب شاید بہت کم ملے گی؛ لیکن جن حضرات نے اپنے آپ کو اس طرح فنا کیا ہے، اللہ تعالی نے انہیں مقبولیت اور محبوبیت دونوں سے نوازا ہے۔

اگر مولاناؒ امروہہ میں اپنے استاذ کی خدمت کو چھوڑ کر ہندوستان کے کسی بھی شہر کو اپنا وطن ثانی بناتے، تو ممکن ہے کہ انہیں دولت کا ذخیرہ مل جاتا؛ لیکن شاید یہ مقبولیت اور نیک نامی انہیں میسر نہ آتی اور علمی وتحقیقی کام کی اس درجہ توفیق نہ ملتی، سچ کہا ہے کسی نے کہ

> ''والدین کی خدمت سے رزق میں برکت ہوتی ہے اور استاذ کی خدمت سے علم میں، یا والدین کی خدمت سے دولت ملتی ہے اور استاذ کی خدمت سے علم اور دولت دونوں کا حصول ہوتا ہے۔''

(۳) مولانا کی زندگی سے علمی انہماک اور علم کے لیے سب کچھ فنا کردینے کا سبق ملتا ہے، انہوں نے اپنے استاذ کی طرح علم کے حصول اور اس کی ترویج واشاعت کو ہی اپنا مقصد زندگی بنایا تھا، مولانا علی میاںؒ نے ان کے استاذ مولانا نسیم احمد فریدیؒ کے بارے میں جو لکھا ہے:

☆ استاذ حدیث وافتاء دارالعلوم حیدرآباد۔ Email:aaliqasmi1985@gmail.com-Mob:07207326738

''تصنیف وتالیف کرنے والے بہت مل جائیں گے،لیکن ایسے لوگ جوعلم میں فنا ہوں،علم جن کا ذوق ہی نہیں ؛بلکہ ذائقہ بن چکا ہو،علم ہی ان کے لیے غذا،دوا،شفا،سب کچھ ہو،وہ مولانا نسیم احمد فریدیؒ تھے۔''

مولانا مرحوم کی زندگی میں بھی اس کا گہرا عکس پایا جاتا تھا۔

(۴) مولانا کا علمی اور قلمی کارنامہ ہم سب کے لیے قابل رشک ہے،وسائل کی قلت کے باوجود کتابیں ترتیب دینا اور اس کی اشاعت کا انتظام کرنا،کوئی معمولی کام نہیں ہے،مولاناؒ کی تحریر میں سادگی وسنجیدگی کا عنصر غالب ہے،ان کے حواشی تحقیقی اور معلوماتی ہیں،ان کی کتابوں میں ان کے اخلاص کی شیرینی ملی ہوئی ہے؛اس لیے قاری کو الفاظ کے سادہ ہونے کے باوجود لطف وحلاوت محسوس ہوتی ہے،جس کا اظہار حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ اور مولانا عتیق الرحمن سنبھلی صاحب نے بھی اپنے مکتوب میں کیا ہے۔

ذوق نے کیا ہی خوب کہا ہے:

زندہ قلم سے نام قیامت تلک ہے ذوق
اولاد سے تو ہے یہی دو پشت چار پشت

مولانا محب الحق صاحبؒ کو اپنے استاذؒ کی وراثت میں جو سب سے قیمتی سرمایہ ملا تھا،وہ تصنیفی ذوق ہے،تصنیف وتالیف انسان کو زندہ وجاوید بنا دیتی ہے،تصنیف کے اثرات دوررس اور اس کے نتائج گہرے ہوتے ہیں،تصنیفی خدمات کی بنیاد پر انسان کی علمی ضیا پاشی برسہا برس تک جاری رہتی ہے،مولانا محب الحق صاحبؒ ان خوش نصیب لوگوں میں سے ہیں،جن کے خامۂ زرنگار سے ایک درجن سے زائد کتابیں منصۂ شہود پر آکر داد تحسین حاصل کرچکی ہیں،بعض کتابیں زیر ترتیب تھیں کہ خالق حقیقی کا بلاوا آ گیا اور مولاناؒ کے بعض حسین خواب شرمندۂ تعبیر ہونے سے رہ گئے،امید کہ مولاناؒ کے سپوت،ان کے علمی وارث وامین اور مولانا کے حقیقی جانشین مولانا امداد الحق بختیار استاذ حدیث دارالعلوم حیدرآباد اس سلسلہ کو آگے بڑھائیں گے اور مولاناؒ کی روح کی تسکین کا ذریعہ بنیں گے۔

مولانا محب الحق صاحبؒ کی جو کتابیں اب تک چھپ کر منظر عام پر آچکی ہیں،ان کو اہل علم نے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے، وقت کے مشہور شہسواران قلم اور اقلیم سخن کے تاجداروں نے اپنی قیمتی تقاریظ وتبصرے سے کتاب کے حسن کو دوبالا کردیا ہے۔

اس کی وضاحت ضروری ہے کہ مولانا محب الحق صاحبؒ کو اپنے استاذؒ سے جس درجہ گہرا عشق تھا اور اپنے استاذ ومربی کے ساتھ الفت ومحبت کی جو مثال مولاناؒ نے قائم کی ہے،اس صدی میں شاید اس کی نظیریں

بہت کم ملیں گی، مولاناؒ کے اکثر خاکہ نگاروں نے اس پہلو پر روشنی ڈالی ہے اور مولاناؒ کی زندگی کے اس گوشے کو اجاگر کیا، یہی وجہ ہے کہ مولاناؒ باوجود یکہ تصنیف وتالیف کا عمدہ اور پاکیزہ ذوق رکھتے تھے، تحقیق وجستجو انہیں اپنے استاذ سے وراثت میں ملی تھی؛ لیکن انھوں نے اپنی تصنیفی زندگی کا مقصد اپنے مربی مولانا نسیم احمد صاحب فریدیؒ کے علوم ومعارف کی اشاعت کو بنایا تھا، انھوں نے اپنے استاذ کے منتشر اوراق کو ترتیب و تحقیق کی لڑی میں پروکر ان کے معارف وحقائق کو زندہ کیا۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اگر شاگرد، استاذ کے ذریعہ باکمال ہوتا ہے، تو بعض مرتبہ استاذ کو علمی افق پر روشناس کرانے والے بھی ان کے شاگرد ہوتے ہیں، مولانا نسیم احمد فریدیؒ اپنی تواضع وانکساری کی بناء پر گمنامی کو شہرت پر ترجیح دیتے تھے؛ لیکن مولانا محب الحق صاحبؒ نے ان کے علمی شہ پاروں کو منظر عام پر لاکر ان کی زندگی کو تابندگی دی ہے، ان کے نام کو شہرت کی اوج پر پہونچا کر بڑے مصنفوں کی صف میں لاکر کھڑا کردیا ہے، اس کے علاوہ مولاناؒ کی کئی ذاتی کتابیں بھی ہیں، جن سے مولانا محب الحق صاحبؒ کے تصنیفی ذوق، تحقیقی مزاج اور تخلیقی ذہن کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، ذیل میں مولاناؒ کی تصنیفی خدمات کا ایک سرسری جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

☆ **فیضان نسیم:** ایک سعادت مند شاگرد اپنے استاذ کو ان کی وفات کے بعد جو قیمتی تحفہ دے سکتا ہے، اس میں اہم تحفہ یہ ہے کہ حضرت الاستاذ کے علوم ومعارف کو زندہ کرے، ان کی پاکیزہ زندگی سے قوم کو روشناس کرائے؛ تاکہ دنیا سے ان کے روپوش ہوجانے کے بعد بھی حکمت ومعرفت سے لبریز ان کی مبارک زندگی لوگوں کے سامنے ہو اور ان کا علمی فیضان جاری وساری رہے۔

مولانا محب الحق صاحبؒ نے ''فیضان نسیم'' کے ذریعہ اپنے استاذ کو یہی قیمتی تحفہ پیش کیا ہے اور تقریباً ساڑھے تین سو (۳۵۰) صفحات پر مشتمل ان کی سوانح عمری لکھی ہے، جس میں مولانا نسیم احمد صاحبؒ کی زندگی کا پورا عکس جمیل دکھائی دیتا ہے، اس کتاب میں مولانا نسیم احمد فریدیؒ کے حالات، ملفوظات اور مکتوبات کو انتہائی خوش اسلوبی سے اور سادگی کے ساتھ جمع کردیا گیا ہے، زبان سادہ اور سہل ہے؛ لیکن عشق وعقیدت اور خلوص محبت سے لبریز ہے، سوانحی خاکہ میں جامعیت ہے، ولادت سے وفات تک تقریباً ہر پہلو کا احاطہ کیا گیا ہے، عام طور پر استاذ اور پیر مرشد کی سوانح نگاری میں مبالغہ آرائی کا عنصر غالب نظر آتا ہے اور ایسی باتیں بھی صفحہ قرطاس پر آجاتی ہیں، جن سے صاحب سوانح کا دور تک کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے۔

اس کے برخلاف مولانا محب الحق صاحبؒ کی مرتب کردہ اپنے استاذ کی سوانح میں؛ اگرچہ عشق و محبت کا عنصر ہے؛ لیکن مبالغہ آرائی نہیں؛ بلکہ حقیقت کا اظہار، محبت کی زبان میں کیا گیا ہے، یہ اس سوانح کی

اہم خصوصیات میں سے ہے؛ ورنہ عام طور پر سوانح عمری میں حقیقت کو نظر انداز کر کے، صاحب سوانح کی زندگی کو مقام رفیع تک پہونچا دیا جاتا ہے۔

''فیضان نسیم'' کا دوسرا حصہ ملفوظات پر مشتمل ہے، جو تقریباً (۱۲) صفحات پر محیط ہے، جب انسان علم و معرفت کے اس اسٹیج پر پہنچ جائے کہ اس کی زبان سے ہر وقت حکمت و معرفت کی باتیں نکلتی ہوں تو ان کے متعلقین ان کے ان ملفوظات کو قلم بند کر لیتے ہیں؛ تا کہ زندگی کے ہر موڑ پر ان ملفوظات سے استفادہ کیا جا سکے، مولانا فریدیؒ کے ملفوظات بڑے سبق آموز اور دل چسپ ہیں، ان کا ایک ملفوظ ملاحظہ فرمائیں:

''تنقید ہونی چاہیے، تنقیص نہیں ہونی چاہیے، تنقید میں خوبی اور خرابی دونوں پہلوؤں کا اظہار ہے اور تنقیص میں صرف ایک پہلو (خرابی) کا اظہار ہے۔''

''فیضان نسیم'' کا تیسرا حصہ ''مکتوبات'' پر مشتمل ہے، جس میں مکتوبات کی تعداد (۱۷۱) ہے، پہلے دو مکتوب حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے نام ہیں، اخیر میں (۳۵) مکتوب الحاج ظہیر عالم صاحب شمسی مرادآبادی کے نام ہیں، مکتوبات کے ضمن میں جن حضرات کا تذکرہ آیا ہے، مولانا محب الحق صاحبؒ نے حاشیہ میں ان کا تعارف بھی کرا دیا ہے، جس سے خط کو سمجھنے کے ساتھ ساتھ معلومات میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

☆ **مقالات فریدی:** حضرت مولانا نسیم احمد فریدیؒ، شیخ الاسلام حسین احمد مدنیؒ کے ان شاگردوں میں ہیں، جن کی زندگی تحقیق و جستجو سے عبارت ہے، مولانا علم و عمل کے پیکر اور قلم کی دنیا کے شہنشاہ تھے، مولانا علی میاںؒ ان کے متعلق لکھتے ہیں:

''ان کی سب سے بڑی خصوصیت ان کا علمی ذوق اور علم میں ان کی فنائیت ہے، علم سے ان کو وہی تعلق تھا، جو مچھلی کو پانی سے ہوتا ہے، علمی اشتغال رکھنے والے، تصنیف و تالیف کرنے والے بہت مل جائیں گے، لیکن ایسے لوگ جو علم میں فنا ہوں، علم جن کا ذوق ہی نہیں؛ بلکہ ذائقہ بن چکا ہو، علم ہی ان کے لیے غذا، دوا، شفا، سب کچھ ہو وہ مولانا نسیم احمد فریدی تھے۔'' (الفرقان ''فریدی نمبر'' ص ۴۶)

مولانا محمد منظور نعمانیؒ لکھتے ہیں:

''مولاناؒ کا خاص محبوب موضوع امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ سے لے کر اب تک کے اپنے سلسلے کے اکابر و مشائخ، مصلحین امت کا تذکرہ، ان کی سوانح حیات اور ایمان افروز مکتوبات، عہد حاضر کے اردو خواں طبقے کے لیے سادہ، سلیس، دل کش اور دل نشیں اردو زبان میں منتقل کرنا ہے۔'' (مقالات فریدی ۳/ ۷)

مقالات فریدی، ان مقالات ومضامین کا مجموعہ ہے، جس میں مولانا نسیم احمد فریدیؒ نے حضرت مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور علمائے دیوبند کی خدمات وکارنامے اور اکابر دیوبند کے حالات وکمالات کو انتہائی بسط وتفصیل کے ساتھ قلم بند کیا ہے، مولانا نسیم احمد فریدیؒ نے ملک کے مؤقر رسالوں میں ان مقالات کو شائع کرایا تھا؛ لیکن یہ مقالات رسالوں میں چھپنے کے بعد مرور ایام کے ساتھ اہل علم کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تھے اور اس سے استفادہ مشکل تر ہو چکا تھا، اللہ تعالی جزائے خیر عطا فرمائے مولانا محب الحق صاحبؒ کو کہ انہوں نے ان تمام مقالات کو یکجا کر کے تین (۳) جلدوں میں ادارہ ادبیات، دلی سے شائع کرایا ہے، تینوں جلدوں کے مجموعی صفحات کی تعداد سات سو (۷۰۰) سے متجاوز ہے اور مقالات کی مجموعی تعداد چالیس ہے۔

حضرت مرتبؒ نے مقالات پر جا بجا ضروری، مفید، معلوماتی اور گراں قدر تحقیقی حاشیے بھی تحریر کیے ہیں، جن سے کتاب سے استفادہ آسان ہو گیا ہے اور کتاب کے تحقیقی معیار میں مزید اضافہ ہوا ہے، اسی طرح ہر مقالہ کے شروع میں ایک فٹ نوٹ دیا گیا ہے، جس میں اس کی وضاحت کی ہے کہ مذکورہ مقالہ کب اور کس پس منظر میں لکھا گیا ہے اور کہاں سے لے کر اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے، تینوں جلد میں ملک کے مشہور صاحب قلم اور انشاء پرداز ادیب مفتی محمد سلمان منصور پوری کا تعارف اور مولانا عبدالحمید نعمانی کا تبصرہ بھی ہے، تینوں جلد کے چند اہم مقالات کے عنوانات ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں، جس سے کتاب کی اہمیت پر روشنی پڑے گی:

(۱) شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۲) شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا خاندان (۳) حضرت نانوتویؒ کی شاعری (۴) آثار شیخ الہندؒ (۵) آزاد کی کہانی نقد ونظر کی کسوٹی پر (۶) حضرت نانوتویؒ کی آخری یادگار (مولانا حافظ عبدالرحمن امروہیؒ) (۷) مجدد الف ثانیؒ کا تجدیدی کارنامہ (۸) حضرت شیخ الاسلامؒ کی جامعیت (۹) ایک عظیم شخصیت ایک اجمالی مطالعہ (شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ) (۱۰) تذکرہ خلفاء مجدد الف ثانیؒ (۱۱) حضرت میاں سید اصغر حسین صاحب دیوبندیؒ (۱۲) مشائخ چشتیہ اور سماع مزامیر (۱۳) حضرت مولانا یوسف کاندھلویؒ کی چند خصوصیات (۱۴) حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے تبرکات (۱۵) سید احمد شہیدؒ پر ایک زائرانہ نظر۔

☆ **سیرت ذوالنورین:** یہ مولانا محب الحق صاحبؒ کا تصنیف کردہ (۶۳) ورقی رسالہ ہے، جس میں خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنیؓ کے حالات کو مختصر اور جامع انداز میں پیش کیا گیا ہے، اختصار اور جامعیت کے اس توازن کو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ''دریا کو کوزے میں سمانے کی کوشش کی گئی ہے'' زبان عام فہم اور سہل ہے، عوام الناس کے لیے خلیفہ ثالثؓ کی زندگی کو پڑھنے اور معلوم کرنے کے لیے مفید کتاب ہے، رسالہ کے افتتاحیہ

میں وجہ تصنیف پر مختصر روشنی ڈالی گئی ہے:

''امت مسلمہ نے ایک زمانے تک ان سے (حضورؐ اور صحابہؓ کی سیرت سے) استفادہ کیا اور اپنی انفرادی واجتماعی زندگی میں ان سے رہنمائی حاصل کی؛ چناں چہ وہ زمانہ امت کا بہترین زمانہ قرار پایا؛ مگر رفتہ رفتہ امت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کے ان قابل عمل حصوں سے دور ہوتی چلی گئی اور یہ دوری اتنی بڑھی کہ سیرت نبوی اور سیرت صحابہ کے انتہائی ضروری اور سبق آموز پہلو بھی نظروں سے اوجھل ہو گئے؛ اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ ایک بار پھر سلسلہ وار ان مقدس ہستیوں کا تعارف اور ان کی زندگی کے قابل عمل پہلوؤں اور ان کے بے نظیر کارناموں کو امت کے سامنے پیش کیا جائے؛ تاکہ یہ دوری کسی قدر کم ہو سکے، اسی کے پیش نظر عاجز نے حضرت عثمان غنیؓ کے سوانحی خاکہ پر مشتمل ایک رسالہ بنام ''سیرت ذوالنورین'' تیار کیا۔''

پیش نظر رسالہ کی اہمیت اس لیے بھی بڑھ جاتی ہے کہ مولانا نسیم احمد فریدیؒ نے اسے کئی بار لفظاً لفظاً سنا اور اس میں ترمیم واضافہ بھی کیا ہے، اسی طرح مولانا طاہر حسین صاحبؒ شیخ الحدیث جامع مسجد امروہہ، مولانا عبدالغفور سنبھلی استاذ حدیث جامع مسجد امروہہ کی تقریظ اور مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلویؒ کے تأثرات اور مفتی سلمان منصور پوری کے تعارف وتبصرے سے رسالہ کی رونق اور بڑھ گئی ہے۔

☆ **جواہر پارے:** قطبِ عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا قاسم نانوتویؒ ''ابوحنیفۂ عصر'' کہا کرتے تھے، حضرت گنگوہیؒ کو اللہ تعالی نے علم ومعارف کا گنجہائے گرانمایہ عطا فرمایا تھا، جس سے پورا عالم آج تک علم کی تشنگی بجھا رہا ہے، حضرت گنگوہیؒ کو بالخصوص حدیث، فقہ اور سلوک وتصوف میں اللہ تعالی نے امامت کے منصب پر فائز کیا تھا، حضرت گنگوہیؒ کی تحریرات کی طرح ان کے مکتوبات بھی انتہائی معنی خیز اور علوم معارف سے لبریز ہیں اور یہ مکتوبات نہ صرف وقتی ضرورت اور تقاضے پورے کرتے ہیں؛ بلکہ ہر دور میں ان کی اہمیت اور افادیت مسلم ہے؛ اسی لیے حضرت گنگوہیؒ کے مکتوبات کو جمع کرنے اور شائع کرنے کا حد درجہ اہتمام کیا گیا ہے۔

حضرت گنگوہیؒ کے مکتوبات کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں، انہیں طبع شدہ مکتوبات میں سے اور اس کے علاوہ چند غیر مطبوعہ مکتوبات میں سے تصوف اور احسان سے متعلق تقریباً (۲۰) حضرات اکابر کے نام تحریر کیے گئے مکتوبات کا اختصار وانتخاب کر کے مولانا نسیم احمد فریدیؒ نے ''الفرقان'' لکھنؤ میں (۱۵) قسطوں کو ''جواہر پارے'' کے عنوان سے شائع کرایا تھا، مولانا محب الحق صاحبؒ نے ''الفرقان'' میں

شائع شدہ ان مکتوبات کو اور اس کے علاوہ ماہنامہ ''نظام'' کانپور میں حضرت مولانا خلیل احمد انبیٹھویؒ اور مولانا حافظ عبدالرحمن امروہیؒ کے نام مکتوبات کو کتابی شکل میں ''جواہر پارے'' کے نام سے شائع کیا ہے ،ان مکتوبات میں بعض فارسی مکتوبات کا ترجمہ کیا گیا ہے اور تلخیص وحواشی کا کام بھی مولانا نسیم احمد فریدیؒ نے ہی کیا ہے بعض بعض جگہ تمہید کے عنوان سے مکتوبات کے سلسلے میں وضاحت بھی کی گئی ہے، اسی تمہید کے ضمن میں حکیم اشرف علی سلطان پوری کے حالات بھی درج ہیں، لیکن بعض مقامات پر مولانا محب الحق صاحبؒ کے بھی مفید اور قیمتی حواشی درج ہیں، جبکہ بعض حاشیے تفصیلی بھی ہیں، جس میں مکتوب الیہ کے مختصر حالات ذکر کیے گئے ہیں۔

مولانا محب الحق صاحبؒ نے حضرت گنگوہیؒ کی سوانح کو بھی ایک اچھوتے اور نرالے انداز میں ذکر کیا ہے، تقریباً (۱۰) صفحات پر مشتمل حضرت گنگوہیؒ کے اس سوانحی خاکہ کو پڑھنے سے مولانا محب الحق صاحبؒ کے تحریری ذوق کا بھی پتہ چلتا ہے اور اکابر دیوبند کی سیرت وسوانح سے ان کی گہری واقفیت بھی آشکارہ ہوتی ہے۔

اس کتاب پر عصر حاضر کے عظیم محقق مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی اور مظاہر علوم رسہارن پور کے مہتمم مولانا شاہد صاحب کے تأثرات اور مولانا زین العابدین صاحبؒ سابق صدر شعبہ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم رسہارنپور کی تقریظ نے جہاں کتاب کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے، وہیں مولانا محب الحق صاحبؒ کی علمی وتحقیقی کاوشوں کو بھی سراہا ہے۔

☆ **زیارت حرمین:** سفرنامہ ایک دل چسپ موضوع ہے اور سفرناموں میں ''سفرنامہ حج'' دل چسپ کے ساتھ ساتھ ایک مقدس موضوع ہے، جب کوئی حج کا مقدس فریضہ ادا کرتا ہے، تو ہر کوئی ملنے والا سفر کی روداد بڑے ہی ذوق وشوق سے سنتا ہے، کسی بھی سفر کی روداد اس دل چسپی سے سننے کا ماحول نہیں ہے، جتنا کہ سفرحج کو جذبہ عشق ومحبت میں ڈوب کر سننے کا اہتمام کیا جاتا ہے، اسی طرح سفرنامہ حج کو پڑھنے کا بھی اسی عشق وعقیدت کے ساتھ اہتمام کیا جاتا ہے؛ خصوصاً وہ سفرنامہ حج، جو کسی عاشق دردمند یا کسی صاحب فکر ودانش نے اپنی اندرونی کیفیات اور قلبی احساسات سے سرشار ہوکر مرتب کیا ہو۔

سفرحج کی اصل غایت تو فریضۂ حج کی ادائیگی، دیار محبوب کی زیارت، اپنے دیرینہ خوابوں کی تکمیل اور روضۂ رسول پر حاضری ہے، ان سب پر مستزاد دینی اور روحانی کامرانیوں سے اپنے آپ کو ہم کنار کرنا ہے، مولانا علی میاں ندویؒ لکھتے ہیں:

''اکابر نے اس سفر کو بڑا عظیم الشان، دینی وروحانی کامرانیوں اور ترقیات کا ذریعہ

بنایا ہے، جن کے واقعات آج تک ایمان میں تازگی، روح میں بالیدگی، ہمت میں بلندی اور طبیعت میں عشق ومحبت کی چنگاری پیدا کر دیتے ہیں۔'' (زیارت حرمین)

ایک صاحب دل اور صاحب قلم جب یہ مقدس فریضہ ادا کرتا ہے، تو اس کی آرزو اور تمنا ہوتی ہے کہ اس مقدس سفر کو صفحہ قرطاس پر منتقل کر دے؛ تاکہ خود بھی زندگی کے ہر مرحلے میں ان اوراق کو پڑھ کر اپنے عشق ومحبت کو تازگی بخشے اور اپنے احساسات وجذبات کی چنگاریوں کو ہوا دیتا رہے اور دوسرے لوگ بھی اس سفرنامہ کو پڑھ کر اپنے ایمان کو تازہ اور اپنی روح کو زندہ کریں؛ یہی وجہ ہے کہ سفرنامۂ حج کے لکھنے کا عام رواج ہو گیا ہے۔

مولانا نسیم احمد فریدیؒ جب ۱۹۶۱ء میں حرمین شریفین کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے، تو واپسی پر انہوں نے اپنے قلم معجز رقم سے حرمین شریفین کی داستان الفت ومحبت کو صفحۂ قرطاس پر نجوم وکہکشاں کی طرح سجا دیا ہے، جس سے ہر پڑھنے والا جھوم جھوم اٹھے گا، مولانا فریدیؒ نے اپنے اس سفرنامہ کو قسط وار ''الفرقان'' میں شائع کرایا تھا۔

مولانا فریدیؒ کے خادم خاص حضرت مولانا محب الحق صاحبؒ نے ان کو یکجا کر کے کتابی شکل میں شائع کیا ہے، اور مولانا محب الحق صاحبؒ نے نہ صرف یہ کہ تمام قسطوں کو ترتیب دے کر شائع کر دیا ہے، بلکہ اپنی علمی وتحقیقی اور تخلیقی کاوشوں سے کتاب کو مفید تر بنایا ہے، کتاب کے شروع میں تقریباً (۱۰) صفحات پر مشتمل افتتاحیہ لکھا ہے، جس سے تحقیق اور تاریخ پر ان کی دسترس کا پتہ چلتا ہے، افتتاحیہ میں مرتبؒ نے مولانا علی میاں ندویؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ سفر حج کے دیگر مقاصد کے ساتھ ایک اہم مقصد تحصیل علم بھی ہے؛ چناں چہ انہوں نے عبداللہ بن زبیرؓ کے بعد سے حضرت نانوتویؒ تک پوری تاریخ ذکر کی ہے، افتتاحیہ کا ایک اقتباس ملاحظہ کریں:

> ''تاریخ شاہد ہے کہ عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت کے بعد مکہ معظمہ ایک بار پھر اہل علم کا محور ومرکز بن گیا تھا اور مسجد حرام میں درس وتدریس کے متعدد حلقے قائم تھے، اس عہد میں عبداللہ بن عباسؓ نے چاہ زمزم کے قریب اپنی نشست گاہ مقرر کی اور درس کا حلقہ قائم ہوا، جس کی شہرت ملک کے کونے کونے میں پہونچی اور مختلف اطراف کے طلبہ شریک ہوئے اور اس حلقۂ درس میں مجاہد، طاؤس، یمانی، سعید بن جبیر کوفی، سلیم بن یسار مدنی اور ابوزبیر جیسے ائمہ تفسیر وحدیث وفقہ فیضیاب ہوئے، عبداللہ بن عباسؓ کے بعد مکہ مکرمہ میں مجاہد، عطا، ابوزبیر اور عمرو بن دینارؒ کے حلقہ ہائے درس وتفسیر قائم ہوئے، جن میں امام ابوحنیفہ،

امام ثوری، ابن عیینہ، مسلم بن خالد، امام اوزاعی اور امام مالکؒ وغیرہ جیسے اساطین علم شریک ہو کر علم کی دولت سے مالا مال ہوئے۔''

غرضیکہ اس کتاب کا افتتاحیہ انتہائی محققانہ اور تاریخی مواد سے مزین ہے، اسی طرح مرتبؒ نے ''سفر نامہ کی جھلکیاں'' کے عنوان سے سفر نامہ کے بعض حصے کا اختصار پیش کیا ہے، جو کتاب کے پڑھنے کی طرف راغب کرتا ہے، ان سب پر مستزاد یہ کہ مولانا فریدیؒ کے مختصر حالات زندگی لکھ کر حضرت فریدیؒ کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار کیا ہے۔

مرتبؒ کا سب سے اہم کارنامہ اس کتاب پر ان کا حاشیہ ہے، حاشیہ تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے، حاشیہ کو دیکھ کر حضرت مرتبؒ کی تبحر علمی، وسعت معلومات اور اکابر ومشائخ کی سیرت سوانح سے گہری واقفیت کا پتہ چلتا ہے، کتاب پر بہت سے اہل علم نے اپنے تأثرات اور قلبی وارفتگی کا اظہار کیا ہے ؛بالخصوص جنید اکرم فاروقی کا ''نسیم موج دل کشاں'' اور مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی کا ''سخنے از سخن شناس'' انتہائی دل چسپ اور معلومات افزا ہے۔

حضرت مرتبؒ نے اپنے افتتاحیہ کا اختتام اس شعر پر کیا ہے:

شوق دل پیدا تو کرتے پھر مقدر دیکھتے
اے فریدیؔ ہے عبث تم کو مقدر کا گلہ

☆ **حکیم الامت کی محفل ارشاد:** حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اللہ تعالی کے ان مقبول بندوں میں ہیں، جن کے علمی واصلاحی فیضان کا سلسلہ گذشتہ صدی میں سب سے زیادہ عام ہوا ہے ،حضرت تھانویؒ کو اللہ تعالی نے تمام علوم وفنون میں یکتائے زمانہ بنایا تھا، ان کے تجدیدی کارنامے اور اصلاحی خدمات پر روشنی ڈالنے کے لیے ایک دفتر بھی ناکافی ہوسکتا ہے، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ 'دار العلوم کی پچاس مثالی شخصیات'' میں فرماتے ہیں:

''حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے اپنے فیض علمی وروحانی سے ایک عالم کو مستفید کیا ،لاکھوں گمراہ انسانوں کو دیندار اور پرہیز گار بنایا، سلوک وتصوف کے ذریعہ ایسی اصلاح عقائد و اعمال کی کہ حیرانی ہوتی ہے، گذشتہ صدی میں ہندوستان کے کسی شعبۂ زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد ان سے بے نیاز نہیں رہے، ہندوستان کے دو بڑے تعلیمی ادارے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے اکثر وبیشتر عمائدین حکیم الامت حضرت تھانویؒ اور دوسرے اکابر دیوبند سے مستفیض ہوئے، ان میں سید سلیمان ندویؒ مولانا عبد الباری ندویؒ خصوصیت سے قابل

ذکر ہیں، جو حکیم الامت سے فیضیاب ہوئے۔'' (حکیم الامت کی محفل ارشاد)

حضرت تھانویؒ کی زبان سے نکلی ہوئی ہر بات علم وحکمت کی دربیش بہا ہوا کرتی تھیں؛ اس لیے حضرت تھانویؒ کے مواعظ وملفوظات کی جس قدر اشاعت ہوئی ہے، ماضی قریب میں کسی بزرگ کے مواعظ وملفوظات کو اس درجہ مقبولیت حاصل نہیں ہوئی ہے۔ ''حکیم الامت کی محفل ارشاد'' درحقیقت ہزاروں صفحات پر پھیلے ہوئے ملفوظات کا پر اثر اور روح پرور انتخاب ہے، کتاب کے تین حصے ہیں، پہلا حصہ ''حکیم الامت کی محفل ارشاد'' کے نام سے ہے، جسے حضرت تھانویؒ کے مجموعہ ملفوظات ''الافاضات الیومیہ'' اور جدید ملفوظات سے مولانا نسیم احمد فریدیؒ نے انتخاب کر کے ''الفرقان'' میں تیرہ (۱۳) قسطوں میں شائع کرایا تھا، دوسرا حصہ ''ارشادات حکیم الامت'' کے عنوان سے ہے، جس میں ''حسن العزیز'' (چار جلدیں) سے انتخاب کر کے ''الفرقان'' میں دس (۱۰) قسطوں میں شائع کرایا تھا، تیسرا حصہ ''مجالس لکھنؤ'' کے نام سے ہے، جو ''جمیل الکلام'' (مرتبہ جمیل احمد تھانویؒ) اور ''اسعد الابرار'' (مرتبہ مولانا ابرار الحق حقیؒ ہردوئی تصحیح مولانا اسعد اللہ صاحبؒ ناظم مظاہر علوم سہارنپور) سے ماخوذ ہے۔

مولانا محب الحق صاحبؒ نے ملفوظات کے ان درنایاب کو ترتیب وتہذیب کی لڑی میں پرو کر انسانیت کی اصلاح کا ایک بہترین زیور عطا کیا ہے، مولانا عبد الحمید نعمانی (سکریٹری جمعیت علماء ہند) کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''حکیم الامت کی محفل ارشاد درحقیقت حضرت تھانویؒ کے ملفوظات کی متعدد جلدوں سے منتخب کردہ کارگر اور پر اثر ملفوظات اور روح ملفوظات ہے، جو نتیجہ ہے مولانا نسیم احمد فریدیؒ کی محنت وکاوش کا، حضرت فریدیؒ کو اپنے حلقے اور سلسلے اکابر واسلاف سے انتہائی تعلق تھا، وہ اس کے لیے بے قرار رہتے تھے کہ ان کی ورق ورق روشن باتوں کو لوگوں تک پہونچایا جائے، اگر چہ زیر تبصرہ کتاب ہزاروں صفحات میں پھیلے ہوئے حضرت تھانویؒ کے ملفوظات سے مختصر انتخاب ہے؛ تاہم بہت کام کا اور جاندار انتخاب ہے؛ گویا عطر کشید کر کے رکھ دیا ہے، کتاب کے جامع ومرتب مولانا محب الحق لائق تبریک وتحسین ہیں کہ انہوں نے حضرت فریدیؒ کے انتخاب کو ''الفرقان'' کے متفرق ومختلف شماروں کے دفینے سے نکال کر سفینے کی شکل میں پیش کیا ہے۔''

مرتب نے کتاب کو مفید اور قابل استفادہ بنانے کی ہر ممکن کوشش کی ہے، جگہ جگہ انتہائی مفید اور معلومات افزا حواشی کا اضافہ کیا ہے، جنہیں پڑھ کر حضرت مرتب کی مؤرخانہ صورت کی جلوہ گری سامنے آتی ہے، کتاب کے افتتاحیہ میں انہوں نے حضرت تھانویؒ کے مختصر حالات زندگی قلم بند کیے ہیں اور اپنے افتتاحیہ کو

سید سلیمان ندویؒ کے اس شعر پر ختم کیا ہے:

چاہا خدا نے تیری محفل کا ہر چراغ
یوں ہی جلا کرے گا بجھایا نہ جائے گا

☆ **مکتوبات مشاہیر:** خطوط مکتوبات کا تعلق عام طور پر شخصی ہوتا ہے، جس میں انسان مکتوب الیہ سے ذاتی طور پر گفت شنید کرتا ہے، خطوط میں مکتوب نگار ذاتی طور پر مکتوب الیہ سے مخاطب ہوتا ہے، کسی کے ذہن میں بھی نہیں ہوتا ہے کہ مکتوب الیہ کے علاوہ کوئی دوسرا بھی اسے پڑھے گا، اس کے باوجود مکتوب کی اہمیت قدیم زمانے سے مسلم ہے، عہد نبوی اور عہد صحابہ کے مکتوبات آج بھی انسانیت کے لیے مشعل راہ ہیں، ہندوستان میں مجدد الف ثانیؒ اور سید احمد شہیدؒ کے مکتوبات علم وعرفان اور حقائق ومعارف کے بہترین نمونے ہیں، اردو میں شیخ الاسلام حسین احمد مدنیؒ، سید سلیمان ندویؒ، علامہ شبلی نعمانیؒ اور شعراء وادباء میں اقبال، غالب، رشید احمد صدیقی اور کلیم عاجز کے مکتوبات قابل مطالعہ ہیں، جس سے نہ صرف اردو کو زندگی ملی ہے؛ بلکہ اردو داں حضرات کے لیے ''مینارۂ نور'' ہیں۔

علمی ودینی حلقوں میں بھی مکتوبات کی اشاعت اور اس سے استفادہ کا ایک خاص رواج ہو چکا ہے، مولانا محب الحق صاحبؒ کی مرتب کا کردہ ''مکتوبات مشاہیر'' بھی اس سلسلے کی ایک کڑی ہے، مولانا محب الحق صاحبؒ میں ترتیب وتبویب کا بڑا عمدہ ذوق پایا جاتا ہے، یہ نواب آخون عزیز الٰہی خان صاحبؒ کے نام مختلف اہل علم اور اہل قلم حضرات کے لکھے ہوئے مکتوبات کا مجموعہ ہے، مولانا محب الحق صاحبؒ نے نہ صرف یہ کہ ان مکتوبات کو جمع کر دیا ہے؛ بلکہ مرتب موصوفؒ نے بہت سے مکتوب نگاروں کے تعارف کے ساتھ ان کے کام پر بھی روشنی ڈالی ہے اور یہ کام انہوں نے بڑی عرق ریزی اور جانفشانی سے کیا ہے۔

مکتوب نگار علماء، صحافی، ادباء اور دانشور حضرات کی تعداد (۷۲) ہے، ان میں سے (۴۲) مکتوب نگاروں کا تعارف کرایا گیا ہے، مکتوب نگاروں میں یہ حضرات خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری، شاہ وصی اللہ الاہ آبادی، عبدالماجد دریابادی، مولانا عبد الباری ندوی، مولانا قاری محمد طیب صاحب، مولانا منت اللہ رحمانی، مولانا زین العابدین قاسمی، مولانا محمد طلحہ صاحب سہارنپور، مولانا نور الحسن راشد صاحب۔

مولانا عبدالحمید صاحب نعمانی نے مکتوبات مشاہیر پر ہفت روزہ الجمعیت میں تبصرہ کیا ہے اور اس کے بعض توجہ طلب گوشوں کی طرف رہنمائی بھی کی ہے۔

☆ **سید العلماء:** حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتویؒ علماء دیوبند کے سرخیل ہیں،

ہندوستان میں انگریز حکومت میں جبکہ مدارس کے نام ونشان کو مٹانے کی انتھک کوششیں ہورہی تھیں، ازسرنو مدارس اسلامیہ کا جال پھیلانا حضرت نانوتویؒ کا ہی عظیم کارنامہ ہے، حضرت نانوتویؒ علم وعمل کے پیکر، اخلاص وللّٰہیت کے بحر بے کراں، قافلۂ مجاہدین کے قافلہ سالار، باطل کے لیے شمشیر اور حق کے لیے مرد باتدبیر تھے ،آپ نے اپنے شاگردوں کا ایسا سلسلہ چھوڑا، جن کا سیاسی وفکری اور علمی وروحانی فیضان آج بھی جاری ہے ،آپ کے شاگردوں میں ہر کوئی علم وعمل اور فکر ونظر کا بحر ذخار ہے۔

انہی ماہ ونجوم میں ایک روشن ستارہ سید العلماء حضرت مولانا احمد حسن محدث امروہیؒ ہیں ،جن کی زندگی اور علمی سرگرمیوں میں بالخصوص ان کی تحریروں ،تقریروں اور خطوط میں واضح طور پر مولانا نانوتویؒ کے اثرات اور رنگ پائے جاتے تھے، حضرت محدث امروہیؒ اپنے استاذ کے نصب العین پر پوری طرح کمر بستہ تھے، جب بھی باطل فرقوں نے سر اٹھایا، ان کو بیخ بن سے اکھاڑ پھینکا، آپ ایک طرف مفسر ومحدث تھے، تو دوسری طرف مبلغ، مقرر، واعظ اور مناظر بھی تھے۔

حضرت نانوتویؒ کی طرح حضرت محدث امروہیؒ کی زندگی اور سیرت اس قابل ہے کہ اس کو پڑھا جائے اور ان کی سیرت اور خدمات کو دیکھ کر اپنے اندر تحریک پیدا کی جائے ،ان کے باغ سیرت کے عمدہ پھولوں کو چن کر اس سے لطف اٹھایا جائے اور ان پھولوں کی خوشبوؤں کو اپنے جسم میں بسایا جائے۔

حضرت مولانا نسیم احمد فریدیؒ نے محدث امروہی کی سوانح کو قسط وار ماہنامہ دارالعلوم دیوبند میں (۹) قسطوں میں شائع کرایا تھا؛ لیکن یہ ماہنامہ دارالعلوم کی قدیم فائلوں ہی میں دفن تھی کہ مولانا محب الحق صاحبؒ نے ان کو کتابی شکل میں ترتیب دے کر لائبریری کی زینت بنادیا، مولانا محب الحق صاحبؒ نے حضرت فریدیؒ کے سلسلہ وار مضامین کے ساتھ بہت سے جدید عناوین کا اضافہ بھی کیا ہے، انہوں نے کتاب کے افتتاحیہ میں لکھا ہے:

> ''اس کتاب کے (۸۲) بیاسی عناوین ہیں ،جن میں (۳۰) تیس عناوین کا اضافہ کیا ہے اور ساتھ ہی مولانا فریدیؒ کے عناوین میں بھی کہیں کہیں اضافہ کیا ہے، اضافہ میں سب سے بڑا م أخذ ''مکتوبات سید العلماء'' رہی ہے۔''

گویا ایک تہائی سے زائد اضافہ کیا گیا ہے ؛اس لیے اسے حضرت فریدیؒ اور مولانا محب الحق صاحبؒ کی مشترکہ تصنیف کہنا چاہیے، مرتبؒ نے اپنے اضافہ پر فہرست مضامین کے آگے (اضافہ) لکھ کر امتیاز کردیا ہے، کتاب پر حاشیہ بھی مرتبؒ کا ہی ہے اور انتہائی قیمتی، مفید اور تاریخی معلومات سے بھرپور ہے، ایک حاشیہ میں مولاناؒ نے تحریر کیا ہے کہ:

''بیسویں صدی کا المیہ یہ ہے کہ اس صدی میں ہندوستانی مسلمانوں کی
تین (۳) بڑی شخصیات کے بھائی قادیانی ہوگئے تھے، مولانا ابوالکلام آزاد کے
بھائی ابوالنصر غلام یاسین آہؔ، مولانا محمد علی جوہر کے بھائی ذوالفقار علی گوہرؔ
اور شاعر اسلام علامہ اقبال کے بھائی شیخ محمد عطاء'' (سید العلماء، حاشیہ ص: ۱۱۴)

پیش نظر کتاب میں حضرت محدث امروہیؒ کے خاندان، نام ونسب، ابتدائی تعلیم، تکمیل تعلیم، مختلف مدارس میں تدریسی خدمات، علمی آثار، مناظرے، تلامذہ، طریقۂ درس، فتاوی اور درس قرآن وغیرہ عنوانات کے تحت حضرت محدث امروہیؒ کی زندگی کو سامنے لایا گیا ہے، اکابر کی سوانح وتذکرہ کے ذیل میں یہ ایک قابل مطالعہ کتاب ہے، کتاب میں رد قادنیت سے متعلق بھی قیمتی مواد موجود ہے، کتاب کے افتتاحیہ میں امروہہ کی مختصر تاریخ اور وہاں کی اہم شخصیات کا تعارف کرایا ہے، آخر میں جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ کے شروع سے اب تک کے ذمہ داروں اور صدر المدرسین وشیخ الحدیث کو بھی روشناس کرایا ہے، اپنے افتتاحیہ کو اس شعر کے ساتھ قلم بند کیا ہے:

چراغ لے کے جسے ڈھونڈتے ہیں پروانے
ہمارے دل میں ہے وہ شمع انجمن میں نہیں

☆ **اردو تفاسیر وتراجم، علماء دیوبند کی تفسیری خدمات:** حدیث اور تفسیر پر علماء دیوبند کی خدمات کا ایک زریں باب ہے، حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ سے لے کر اب تک حدیث اور تفسیری خدمات کا لامتناہی سلسلہ جاری ہے، اب تک پچاس (۵۰) سے زائد قرآن کے تراجم وتفاسیر علماء دیوبند کے گوہر قلم سے صفحۂ قرطاس پر ثبت ہوچکے ہیں، جس سے پوری دنیا استفادہ کررہی ہے۔

۲۰۰۰ء میں دہلی میں حضرت نانوتویؒ کی علمی وفکری خدمات کو خراج عقیدت پیش کرنے اور ان کے مشن کو عام کرنے کے لیے ''الامام محمد قاسم النانوتویؒ'' کے عنوان سے ایک سیمینار منعقد ہوا تھا، اس موقعہ پر مولانا اخلاق حسین قاسمی کی ایماء پر حضرت مولانا محب الحق صاحبؒ نے ''اردو تفاسیر وتراجم، علماء دیوبند کی تفسیری خدمات'' پر ایک گراں قدر مقالہ لکھا تھا، بعد میں اضافہ کے ساتھ ایک رسالہ کی شکل میں شائع کیا، جس میں علماء دیوبند کے ساتھ دیگر اردو تراجم وتفاسیر کا تعارف اور ان کی خصوصیات پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی ہے، علماء دیوبند کی تفسیری خدمات کے جائزہ کے طور پر ایک مفید کتاب ہے۔

☆☆☆